آسیہ رزاقی

دریا کنارے

مکمل ناول

کلثوم عرف کلو! میرے سامنے فرش پر بیٹھی زمین پر لکیریں کھینچ رہی تھی، انگلی سے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا مگر شرمندہ نہ تھی۔

"اب کیا ہوا ہے تمہیں؟" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"مار پڑتی ہے، گھر میں گھسنے کی منادی ہے اور کیا۔" وہ چڑی ہوئی تھی۔

"منادی؟" مجھے ہنسی آگئی۔ "مگر کس لئے منادی ہے؟ کیا ہے تمہارا؟"

"بس! کہتی ہے سسرال جاکر نخرے دکھا۔" وہ اب بھی سر نیچا کیے لکیریں بنا رہی تھی، مگر صاف ستھرے فرش پر کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے بغور

UrduPhoto.com

دیکھا۔ شاید اس کی انگلیوں کی سیاہی کا رنگ فرش پر ابھرے۔

"نخرے۔ تم نخرے بھی کرتی ہو؟"

"بس جی! کچھ تو کرنا ہے۔ اب میں میکے میں بھی نخرے نہ کروں؟ سسرال میں بھلا کون پوچھے ہے کہ تم کس کھیت کی مولی ہو؟ کس باغ کا گجرا ہو۔ ایں جی۔" بہت قابلیت جھاڑ رہی تھی۔

واقعی انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ آخر یہ کسی کھیت کی مولی تو ہوگی ہی۔ اگر مولی نہیں تو کالی گاجر ہی۔

"سسرال کب گئی تھیں، یعنی وہاں سے میکے کب آئی ہو؟" میرا دل خوامخواہ گداز ہو رہا تھا۔

"کیا کروں جا کر؟" الٹا سوال داغا۔ "مجھے "وہ" اچھا نہ لگے۔ کالا کلوٹا۔ بینگن لوٹا' اور ماں کہے ہے دل پر جبر کرلے۔ ادھر ہی رہ لے۔ میں کاہے جبر کروں۔ جب طبیعت ہی ادھر نہ آتی۔ گھن لگے ہے مجھے مردوئے سے۔" وہ بھرے گلے سے فریاد کناں تھی۔

میں نے ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ اگر "وہ بینگن" ہے تو خود کلو۔ کالی گاجر مگر شاید بینگن زیادہ ہی کالا ہوگا۔

"اب بتاؤ میرے میں کاہے کی کمی ہے۔ جوان ہوں' کھب صورت ہوں (شرما گئی خود) پڑھی لکھی ہوں۔" (بڑا زعم ہے بھئی)

"اچھا!" وہ مجھے حیران پر حیران کر رہی تھی۔ "تم پڑھی لکھی ہو؟ مجھے تو پتا نہیں تھا۔"

"ہاں۔ پورا سپارہ الف لام میم پڑھ سکت ہیں۔" بڑے وثوق سے فرمایا۔

"اچھا تم ایسا کرو۔ امی کے پاس چلی جاؤ۔ میں تو تمہارا مسئلہ حل نہیں کر سکتی۔" میں نے گھبرا کر اسے ٹالنا چاہا۔ پھپھو کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ پڑوس میں گئی ہوئی تھیں۔

"ام۔۔۔ ام۔۔۔ می۔۔۔ پ۔۔۔ ان سے مجھے سرم لگے ہے۔" کمبخت اتار رہی تھی اور مجھے گھبراہٹ۔

"تم جاؤ تو سہی۔ میں ان کو بتا دوں گی۔"

کہہ کر میں جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی اور دھلے ہوئے کو دوبارہ دھونے لگی۔ کامران کا کمرہ صاف کرنے آئی تھی۔ اماں جی سے پوچھ کر کلو بیگم وہیں آن براجیں۔ ہمارے گھر کی پرانی بوا نذرن کی بیٹی تھی میرے پاس آئی تھی کہ میں اسے رکھ لوں۔ لو میری مجال؟ اس گھر میں اختیار پھپھو کا تھا اور میں ان سے اتنا ڈرتی تھی جیسے بچے ڈریکولا سے۔ ڈرنا چاہئے بھی کہ پھپھو میرے لئے ڈریکولا سے کم نہ تھیں۔ ان کو سما سما کر خون چوسنا آتا تھا اور اب تو انہیں اس طرح خون چوسنے کا چسکا پڑ چکا تھا اور جو انہیں خبر مل گئی کہ یہ میرے پاس "جاب" کے لیے آئی ہے تب میری شامت۔ میرے میکے سے کوئی آئے اور مجھ سے کوئی درخواست کرے وہ بھی نوکری۔ کہنے کو وہ میری پھپھو تھیں۔ میری میکے والی۔ مگر انہیں مجھ سے کد۔ میرے میکے سے چڑ۔

کلو بوا نذرن کی بیٹی تھی۔ بوا نے برسوں ہمارے گھر میں کام کیا تھا۔ انہوں نے چار چنچل خود سر بیٹیوں' تین آوارہ بیٹوں کی فصل تیار کرتے ہوئے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ یہ فصل جب پک کر تیار ہوگی تو ان کو کتنا نقصان پہنچے گا۔ اب بڑھاپے میں گھر کے آرام کی سوجھی تو بیٹیاں ماں کی خدمت سے انکاری۔ بیٹے کما کر لانے سے آزردہ۔ ایک بیٹی کا بوجھ اتارا تھا۔ تو کہ وہ بھی نرا ایک تھی۔ سسرال والوں کے نخروں میں تیردے کر رہ رہی تھی۔ بوا کا سلوک تھا کہ اس کی سسرال والے اسے بھگت رہے تھے۔

اور اب کلو کی بھی شادی اپنی برادری میں کردی۔ خاصا پیسہ خرچ ہوا کلو کے بیاہ میں۔ کیونکہ کلو میں ایک خوبی تھی۔ (بلکہ لاتعداد) وہ "اچھے" جہیز کے بغیر رخصت ہونے کو تیار نہ تھی۔ اسے رنگ برنگ کے ریشمی کپڑوں اور سونے کے سیٹ کی چاہ تھی۔ اسے خبر نہ تھی کہ اس کا دولہا اس قدر کالا بھجنگ ہوگا۔ کالا بھجنگ۔ کورو پانڈو کی داستان میں' میں نے طاقت ور بھیم کا نام سنا تھا۔ کلو کی معلومات کے مطابق بھیم اتنا

کالا تھا کہ مثال بن گئی کالا بھیم۔ اس نے' بقول خود کے' دولہا پر نظر پڑتے ہی ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی۔ (ارادتاً") اور جب ہوش میں ہی نہ آئی تو سسرال والے اسے ہاسپٹل پہنچا گئے۔ صبح سویرے جب اس کی نگراں نند میٹھی نیند کے جھولے میں پینگیں لے رہی تھی یہ چپکے سے ہاسپٹل سے فرار ہو کر میکے جا پہنچی اور اعلان کر دیا کہ اب وہ کبھی اس سسرال نہ جائے گی اور یوں ماں بیٹی میں کھلی جنگ کی ابتدا ہوئی کہ کمبخت سارا زیور کپڑا اسی سسرال میں چھوڑ آئی تھی۔ اور کلو کو میں نظر آئی' شکار۔

باتھ روم دھوتے ہوئے سوچتی رہی کہ کیسے اسے ٹالوں۔ پھپھو تو کبھی معاف نہ کریں گی۔ باہر آئی تو پھپھو میری منتظر۔

"یہ۔۔۔ یہاں کیا کر رہی ہے؟ اب اس سے مسکوٹ ہو رہی ہے۔ میرے خلاف سازش یا کوئی خط پتر ماں کے نام دیا ہے کہ زبانی لکھا پڑھا کر ادھر روانہ کرو گی۔ میری شکایتیں کر رہی ہوگی کہ جا کر ماں کو سنا دے۔ رے تیری ماں تو ماں' باپ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تو ہے کس خیال میں۔ چل ری کالی بھجنگ۔ ادھر سے پھٹا کھا۔ منحوس صورت۔ جانے کس کے نصیب پھوٹے تھے جو یہ چڑیل اس کے گھر گئی ہوگی۔ شکل دیکھو اور کرتوت اس سے بڑھ کر۔ چل جا اب تو سوئے کیوں بہانے بیٹھ گئی۔ مگرمچھ کے آنسو۔"

میری خبر لیتے لیتے پھپھو نے کلو کی بھی گوشمالی کردی۔ بے چاری روتی ہوئی باہر چلی گئی۔ پھپھو نظروں سے آتشیں گولے مجھ پر برساتی ہوئی خود بھی چلی گئیں۔ پھپھو کو سب کے سامنے میری تذلیل کر کے روحانی خوشی ہوتی تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ ساس میری ہمدرد تھیں گو کہ وہ بھی حیران ہوتی تھیں کہ پھپھو ہو کر وہ میرے ساتھ اتنا برا سلوک کیوں کرتی ہیں اور جس چاہ سے جوش و خروش کا اظہار کر کے وہ نند کو لائی تھیں وہ جذبہ کہاں فنا ہوگیا۔ دونوں نندیں کتنی پریشان کہ بڑی بھابھی اتنی تلخ اور سنگدل تو نہ تھیں' لیکن وہ بڑی بھابھی کے سامنے بول نہیں سکتی تھیں کہ گھر پر ان ہی کا کنٹرول تھا۔ میرے ہاتھ سے اگر گلاس گر کر ٹوٹ جائے تو فوراً میرا ہاتھ پکڑ کر ساس کے پاس لے جاتیں کہ میں ان کی گھر گرہستی تباہ کرنے کا منصوبہ بنا کر آئی ہوں۔

اور جب ایک بار ڈنر سیٹ کی پلیٹ مجھ سے گری تو انہوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور انہوں نے الزام رکھا "چونکہ یہ شادی ان کی خوشی اور زور زبردستی سے ہوئی جبکہ میری مرضی نہ تھی اس لئے یہ بدلہ لے رہی ہے مگر میں بھی صائمہ بنتِ ابوذر ہوں۔ اس فتنی کے زہر کو مارنا جانتی ہوں۔"

انہوں نے مجھے مارا۔ بال نوچے اور جو منہ میں آیا بولتی گئیں۔ وہ تو اماں جی نے ہی ان کے ہاتھوں سے مجھے بچایا اور تسلی دیتی رہیں۔ نہ جانے پھپھو کو کیا ہوگیا تھا۔ میں تو اول دن سے ہی ان کے اشارے کو حکم کا درجہ دے کر تعمیل کرتی رہی تھی۔ پھر ان کا غصہ دم بدم کیوں بڑھتا جاتا ہے۔ یہ وہی پھپھو تو ہیں جو ہم بہن بھائی پر واری صدقے جاتی تھیں۔ اب میں نے کون سی خطا کر دی کہ دشمن بن گئیں۔ جبکہ وہ ابی کے آگے ہاتھ جوڑ کر منتیں کرتی تھیں۔ انہوں نے میرے ناز اٹھانے اور مجھے ہمیشہ بہت خوش رکھنے کے وعدے کئے تھے اور اس گھر میں آتے ہی نیت بدل گئی۔ اب تو وہ مجھے دکھ دینے اور ستانے کی نت نئی ترکیبیں آزمایا کرتیں۔ پابندیاں اس قدر کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کس طرح کی قید میں ہوں۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھپھو ابی کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کے والدین انتقال کر گئے تو دادی انہیں ہمارے گھر لے آئیں اور ہم نے تو انہیں اپنے ہی گھر میں دیکھا ہمیشہ۔ ہم انہیں سگی پھوپھی ہی سمجھتے تھے۔ اگر وہ دادی کو چچی نہ کہتی ہوتیں تو پتا بھی نہ چلتا۔ پھر ان کی شادی کے لئے دادی ہی نہیں' ابی امی بھی کوشش کر رہے تھے۔ آخر کار ان کی شادی طے ہوگئی۔ پھپھو کی شادی' ایک خوشی کی خبر

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com

تھی تو جدائی کا دکھ بھی۔ ہمیں تو ان کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ خیال تک نہ آتا تھا کہ کبھی یہ ہم سے جدا ہوں گی۔ پھپھو کی شادی دادی کی پسند سے طے ہوئی۔ سنا تھا عارف انکل پھپھو سے چھوٹے ہیں مگر قد کاٹھ کے ایسے کہ پھپھو ان کے سامنے گڑیا جیسی لگتیں۔ عارف انکل کی والدہ سے دادی کا بہت پرانا ملنا جلنا تھا بلکہ ایک زمانے میں وہ دوپٹہ بدل بہنیں بھی بن گئی تھیں۔ ان ہی کی خواہش پر دوستی رشتے داری میں ڈھالی گئی۔

دولہا میاں یعنی عارف انکل بڑے ہی شاندار اور خوبصورت تھے اتنے ہی دلچسپ اور گھل مل جانے والے۔ دولہا دلہن لگتا تھا ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔ فراز بھائی کی تو فوراً انکل سے دوستی ہو گئی کیونکہ وہ بھی کرکٹ کے دلدادہ بلکہ ان کے دونوں بھائی زبردست کرکٹ پلیئر۔ ادھر ہم بھی اپنے لان میں پھپھو کے ساتھ کرکٹ کیا' ہاکی کیا' بلکہ بیڈ منٹن' باسکٹ بال' یہاں تک کہ پٹھو گرم بھی کھیلا کرتے۔ پھپھو ہمیشہ مجھے اپنی ٹیم میں رکھتی تھیں۔ فراز بھائی اور آپی کی ٹیم اور بے چارا ایاز کبھی امپائر' تو فیلڈر' کمنٹیٹر وغیرہ وغیرہ۔

پھپھو اب جب بھی سسرال سے آتیں جیسے بالکل دوسری ہستی لگتیں۔ نہ وہ کھیل میں ساتھ دیتیں نہ زیادہ مخاطب ہوتیں' نہ ہی پہلے کی طرح چھپ چھپ کر کچھ پکا کر کھلاتیں۔ اب وہ کوئی اور ہی شے ہو گئی تھیں۔ اب ان کی گفتگو' عارف انکل' سلمان اور کامران کے گرد گھوما کرتی۔ ایک نند شادی شدہ انگلینڈ میں تھیں۔ دوسری کی شادی ہونے والی تھی۔ ساس ان کی عموماً" بیمار رہتی تھیں۔ مگر تھیں ہمت والی۔ پھپھو کو بہت چاہتی تھیں اور اکثر کچھ نہ کچھ پکا کر بہ اصرار پھپھو کو کھلاتیں۔

مجھے تو پھپھو پہلے سے زیادہ اچھی لگنے لگیں۔ بہت اچھے شوخ رنگوں کے کپڑے پہنتیں اور بنارسی بارڈر والی ساڑھیاں تو ان پر اتنی اچھی لگتی تھیں۔ بالکل پرانے زمانے کی ملکہ۔ میں مارے شوق کے ان کے ریشمی پلو کو چھوتی تو۔ وہ میرا ہاتھ ہٹا دیتیں۔ کبھی کہتیں۔

"نہیں گڑیا۔ ایسے نہیں کرتے۔"

اور پھر باتوں کا سلسلہ۔ اب وہ مجھے تو بالکل مخاطب نہیں کرتی تھیں۔

فراز بھائی کہتے۔ "پھپھو! آپ نے پرانی کینچلی اتنی جلد اتار دی۔؟"

وہ اس پر بہت خفا ہوتیں۔ ویسے بھی وہ فراز بھائی سے خفا ہی رہتی تھیں۔ البتہ آپی میں اور ایاز ان کے دوست تھے۔

اب تو وہ عارف انکل کے عشق میں سرتاپا ڈوبی ہوئی تھیں۔ امی اور دادی بہت خوش تھے کہ عارف ان کا بہت خیال رکھتے ہیں اور انہیں پھپھو کا کئی سال بڑا ہونا بھی منظور تھا کہ انہیں پھپھو نے بھی تو خوش رکھا تھا بلکہ آپی نے تو صاف کہا کہ انکل اور پھپھو کے درمیان عشق عاشقی کا چکر ہے تب ہی دونوں ایک دوسرے پر دل و جان سے فدا ہیں۔

پھپھو کا ہی نہیں وہ ہم لوگوں کا بھی بہت خیال کرتے۔ ایاز تو پھر ان سے شرماتا تھا مگر میں ان سے فری ہو گئی اور ان سے آئس کریم فرمائش کر کے کھاتی بلکہ میرے طفیل میں سب کھاتے۔ جب بھی وہ آتے ہماری چاندی ہوتی۔ میری آپی کی پسند رس ملائی جبکہ فراز بھائی کو گلاب جامن پسند تھا اور جب وہ آتے ان میں سے کوئی نہ کوئی مٹھائی ضرور لاتے جو بعد میں بھی خوب کھائی بلکہ ٹھونسی جاتی۔ امی خفا ہوتیں۔

"ابھی تو کھا چکے ہو۔ کچھ تو ٹھہرو۔ کل بھی آئے گی تب کھا لینا۔"

مگر فراز بھائی کا خیال تھا کہ کل تک ساری مٹھائی میرے اور آپی کے پیٹ میں اتر چکی ہوگی۔ فراز بھائی کا خیال تھا اگر پھپھو ذرا اور بڈھی ہو جاتیں تو انکل زیادہ ہی ہماری خاطریں کرتے۔ انہیں شاید بوڑھے لوگ بہت پسند ہیں۔ ایاز نے حسب عادت دخل دیا۔

"ہماری دادی سے شادی کر لیں تو ہمارے مزے ہو جائیں۔ کیوں بھائی؟"

فراز بھائی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سنبھل کر بولے۔ "یار! کیسے نادر خیالات کا مالک ہوتا جا رہا ہے تو۔ سوچ۔ اور کچھ سوچ کہ پھپھو کو دن میں تارے کیسے دکھائے جائیں۔"

"بری بات فراز بھائی۔" محبت کی ماری آپی نے پھپھو کو اس متوقع حادثے سے بچانا چاہا۔

"اس میں کون سی بری بات ہے بلکہ ہم تو اپنی پھپھو کو چاند پر بھیجنا پسند کریں گے۔ اگر عارف انکل ایک اور شادی افورڈ کر لیں۔ کیوں جی؟" انہوں نے میری رائے لی اور میں فراز بھائی کی کسی بات سے انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔ گردن ہلا کر اقرار کیا۔ سمجھ میں خاک نہ آیا۔

"دادی کہتی ہیں ہمیشہ اچھی بات منہ سے نکالنا چاہئے۔ کیا معلوم کون سی قبولیت کی ساعت ہو۔" آپی نے پھر فراز بھائی کو نصیحت کی۔ وہ منہ اوپر کر کے ہنسے۔

"واہ کیا بات کی ہے۔ یعنی عارف انکل دوسری شادی۔ تیسری شادی بھی افورڈ کر سکتے ہیں۔ تو کیوں نہ ابھی سے کوئی۔۔۔ ماسی مصیبتے تلاش کر لی جائے۔"

وہ مذاق کے موڈ میں تھے اور پھپھو سے منسوب کر کے کتنے ہی لطیفے انہوں نے اپنی کاپی میں لکھ رکھے تھے اور وہ سب کو سنا کر ہنساتے بھی تھے (بس نام بدل کر) میں نے کاپی پڑھ لی تھی اور میں ان کی رازدار تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ پھپھو اور فراز بھائی میں چپقلش بڑھتی جا رہی تھی جو ہم دونوں بہنوں کو بالکل پسند نہ تھی۔ مگر پھپھو کو دیکھتے ہی فراز بھائی کی زبان میں کھجلی ہونے لگتی تھی۔ اور پھپھو میں برداشت کی کمی تھی۔

آپی کی بی اے میں پوزیشن آئی۔ سب نے خوشی منائی۔ عارف انکل نے بہت قیمتی تحفہ آپی کو دیا اور ابھی اس خوشی کو چند روز ہوئے تھے کہ کوئی بہت ہی اچھا رشتہ آگیا اور امی نے کسی کی نہ سنی جھٹ پٹ شادی طے ہوئی اور آپی رخصت ہو کر دوبئی چلی گئیں جہاں ان کی سسرال کی فیملی تھی۔

پھپھو کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ ان کی ساس پوتے پوتی کی آس لئے کچھ دل دکھانے والی باتیں کرنے لگی تھیں۔ پھپھو جب آتیں دادی سے ساس کے دکھڑے روتیں۔ دادی تو اتنی ضعیف ہو گئی تھیں کہ پوری بات سننے اور سمجھنے میں انہیں خاصا وقت لگتا۔ بس وہ افسوس ہی کر کے رہ جاتیں۔ پھپھو تھیں کہ اپنے گھر کے واقعات انہیں سنانے پر کمربستہ۔

"چچی بی! وہ ضرور عارف کی دوسری شادی کرا دیں گی پھر میرا کیا ہو گا؟"

وہ آواز میں درد پیدا کر کے کہتیں۔ دادی صبر کی تلقین کرتیں۔ یقین دلانے کی کوشش کرتیں کہ عارف بہت قدردان ہے۔ ہرگز ایسا نہ کرے گا۔

"اور اگر کر لیا۔۔۔ تو پھر۔۔۔ چچی بی آپ میرا سوچیں۔ میں کیا کروں گی۔ ہر مرد دوسری شادی کے لئے موقع کا منتظر رہتا ہے۔ اسے تو بہانہ چاہئے۔"

"سوائے ہمارے خاندان کے مردوں کے۔" فراز بھائی نے دخل دینا ضروری سمجھا۔ "واہ! کیا مستقل مزاجی ہے۔ ایک ہی بیوی کے ساتھ عمر گزار دیتے ہیں۔"

"تمہارے باوا نے یہ رسم بھی توڑ دی۔" پھپھو جل کر بولیں۔

"ان کی مجبوری تھی اور اس مجبوری کا نام تھا فراز۔ آپ کی مجبوری۔۔۔ کا کیا نام ہے؟" وہ پلیٹ سے انگور اٹھا اٹھا کر کھا رہے تھے۔

"تمہارا سر!" وہ چڑ گئیں۔

"اوہ! کافی خطرناک قسم کی مجبوری ہے۔ بہتر ہوتا آپ اپنی ساس کو رازدار بناتیں۔ ہم تو یہی کر سکتے ہیں کہ عارف انکل کے لئے کوئی نئی کلور دلہن تلاش

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

کرلیں۔"

"تم بکواس کروگے تو جان نکال لوں گی۔" وہ ٹھیک ٹھاک جلی بیٹھی تھیں۔ آگ بگولہ ہو رہی تھیں۔

"چچی بی! آپ اسے منع کریں ورنہ میں اس کا حشر نشر کردوں گی۔"

"پھپھو! آپ اس وقت سانپ کی طرح پھنکار رہی ہیں اور گھوڑی کی طرح ہنہنا رہی ہیں۔ تھتھنے آپ کے پھول پچک رہے ہیں۔ صبی! آئینہ لاؤ۔ پھپھو اپنے بارے میں صحیح اندازہ لگا سکیں گی۔" وہ انگور کی خالی پلیٹ میز پر رکھ کر کھڑے ہوگئے۔ "چلو جی! ہم تو جاتے ہیں۔ انکل سے ملنے۔ ان سے ہمدردی ضروری ہے۔ ان کے ارادوں سے آگاہی بھی۔۔۔"

پھپھو نے دانت کٹکٹائے۔ "اگر ان کے پاس جاکر بکواس کی تو کچا چبا جاؤں گی یاد رکھنا۔"

"چلیں یہ تو معلوم ہوا کہ آپ کی ذات کس سے تعلق رکھتی ہے۔" وہ ہنسے۔

"دفع ہو۔ اللہ کرے ہاتھ ٹوٹیں تیرے۔"

دادی نے فوراً ٹوکا۔ "نہ بیٹی! ایسے نہیں کہتے۔ اللہ نہ کرے اس کا بال بیکا ہو۔ بچہ ہے۔"

"بچہ ہے یا پورا خبیث جٹ۔"

"پھر بھی آپ سے کم ہوں۔ آپ نے ابھی قبولا کہ آپ ڈائنوں کے خاندان۔۔۔"

وہ ہنستے ہوئے باہر لپکے۔ پھپھو کی چپل دروازے سے ٹکرا کر خود پھپھو کے گھٹنے پر آلگی۔ وہ وہیں بیٹھ کر ہائے ہائے کرنے لگیں۔

"یہ ہے مکافاتِ عمل۔ پھپھو جان! جو بوئیں گی وہی کاٹیں گی۔" باہر سے فراز بھائی نے پکار کر کہا۔

"آؤ صبی! انکل سے ملتے ہیں۔"

اور پھپھو کی تلملاہٹ واقعی شعلوں تک جا پہنچی۔ وہ باقاعدہ کوسنے لگیں۔ دادی انہیں روکتی رہیں پتا نہیں پھپھو کو فراز بھائی سے کیسے کد ہوئی۔ وہ پہلے بھی اکثر ان کی مری ہوئی ماں کے حوالے سے برا بھلا کہا کرتی تھیں۔ ایسے موقع پر امی فراز بھائی کو بہلا کر لے جاتیں۔ فراز بھائی میری خالہ کے بیٹے تھے ان کی ماں کے انتقال کے بعد ابی کی شادی امی کے ساتھ ہوگئی کیونکہ فراز بھائی امی سے بہت زیادہ اٹیچ ہوگئے تھے۔ آج بھی امی سب سے زیادہ ان ہی کو چاہتی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھپھو روز آجاتیں اور ساس کی زیادتی کے رونے روتیں مگر عارف انکل کے رویے میں ذرا بھی فرق نہ تھا۔ وہ حسبِ سابق پھپھو پر جان چھڑکنے کو ہر دم تیار۔ ہر دم عاشقِ زار کا رول ادا کرتے نظر آتے پھپھو کو پتا نہیں کیوں وہم ہو رہا تھا۔

اور اس دن ہم جب لان میں بیڈمنٹن کھیل رہے تھے۔ آپی تو جا چکی تھیں۔ فراز بھائی پڑھنے میں مگن۔ لے دے کر میں اور ایاز رہ گئے تھے تو فارغ وقت میں ہم ہی کھیلا کرتے۔ عارف انکل کے ساتھ پھپھو کے بجائے ان کے بھائی سلمان تھے۔

"چلو بھئی چلو! تیار ہوجاؤ۔ فراز کو بلاؤ بھئی آج آئس کریم پارٹی ہے۔" عارف انکل نے جلدی جلدی کرکے اقرا تفری مچادی۔

"اور پھپھو؟"

"وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہیں۔ انہیں پارلر چھوڑ کر آیا ہوں۔ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

میں جلدی جلدی تیار ہو کر آئی۔ ایاز بھی آچکا تھا اور جہاں آئس کریم کا نام آئے دیر کا سوال نہیں۔ مجھے دیکھ کر انکل نے حیرت سے آنکھیں پوری کھول دیں اور مصنوعی تعجب سے بولے۔

"ہائیں۔ یہ کون ہے سلمان۔ سفید پری۔ ہم تو اسے نہیں پہچانتے۔"

میں جھینپ کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایاز نے کہا۔ "سفید کپڑے پہن کر پری بن جاتا ہے کوئی؟ بس پھر میں بھی پرابن کر آتا ہوں۔"

"نہ۔۔۔ نہ۔۔۔ نہ۔ ایک وقت میں ایک پری کافی ہے۔ تم پھر کسی اور دن پرابن جانا۔" سلمان بولے۔

"پتا ہے انکل! میں جادو سیکھ رہا ہوں۔" ایاز نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے اسکول میں ایک بچک ماسٹر آتا ہے۔ وہ ہمیں غائب کرنے والا جادو سکھاتا ہے۔"

"اوہو۔ واہ۔ پھر تو تم بہت کچھ غائب کردوگے۔ ساری آئس کریم بھی۔ چلو آج تمہارا امتحان ہے۔" انکل برابر ایاز سے مخاطب تھے۔ اس وقت ہم آئس کریم پارلر پہنچ چکے تھے۔

"پھپھو کو غائب کرو۔ تو مان جاؤں۔" فراز بھائی نے ذرا بلند آواز میں جملہ کسا۔

سلمان ہنس پڑے۔

انکل نے پھپھو کو ایاز کا کمال کا بتایا۔ وہ شرما گیا۔ "ابھی تو آدھا سیکھا ہے۔ جب پورا سیکھ لوں گا تب۔۔۔"

"چلو آدھا جادو تھوڑی دیر کے لئے تو بندے کو غائب کرسکتا ہے۔ بس اتنی دیر کہ ہم خوب ساری آئس کریم کھالیں۔" فراز بھائی پھپھو کو تنگ کرنے سے باز نہ آئے۔ وہ اپنی دو تین سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ آگ برساتی نظروں سے فراز بھائی کو گھور رہی تھیں۔

سلمان سے بھائی کی دوستی ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی وہ ان بھی ان کے ساتھ آجاتے اور پھر اس قدر قہقہے بلند ہوتے کہ امی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتیں۔

بہار کے موسم میں حبس کی وجہ سے سانس آنے لگتا۔ میں تو شام کا انتظار بے تابی سے کیا کرتی کھلے وسیع سرسبز لان میں جاکر لمبی لمبی سانسیں لے کر گرمی کے اثر کو ختم کروں۔ گھاس میں پانی کی وجہ سے خاصا مچھر بلکہ خوشگوار موسم ہوتا۔

حرتو ہمارا مختصر تھا صرف تین بیڈ روم کا لاؤنج اچھا خاصا اور اسے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا۔ ڈرائنگ روم میں ابی کا قبضہ تھا۔ وہیں وہ کام کرتے۔ وہیں لوگوں سے ملاقات اور دوستوں کے ساتھ گپ شپ۔ لان خاصا بڑا تھا اور لوگ اعتراض بھی کرتے کہ لاکھوں کی زمین میں گھاس لگوالی۔ ابی کا کہنا تھا کہ لڑکے کسی قابل ہوجائیں تو اپنے ضرورت کے مطابق توسیع کرسکتے ہیں۔ یوں بھی اوپر ایک کمرہ فراز بھائی کے لئے الگ بنوادیا تھا۔ اس کا راستہ باہر سے بھی تھا۔

مجھے اپنا لان بہت پسند اور عزیز تھا۔ گہرے سبز رنگ کی مخملی گھاس کا فرش آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ پھر باؤنڈری وال کی جگہ گھنی باڑھ تھی جس میں برسات میں جگنوؤں کے چراغ جلا کرتے۔ ابی امی بھی دیر رات تک جگنوؤں کے جل بجھنے کا تماشا دیکھا کرتے اور میں ایاز کے ساتھ ان چراغوں کو دوڑ دوڑ کر پکڑا کرتی۔ کبھی بھائی بھی ہمارے کھیل میں شریک ہوجاتے۔

امی مجھے ادھر سے ادھر دوڑتا دیکھ کر فوراً ٹوک دیتیں۔

"بیٹا بس کرو۔ شام ہو رہی ہے۔ اب تم ننھی بچی نہیں ہو کہ چھوٹے بھائی کے ساتھ کد کڑے لگایا کرو۔ جاؤ کچن سمیٹو۔ چائے کے برتن پھیلے پڑے ہیں۔"

ابی فوراً کہہ دیتے۔ "کھیلنے دو۔ ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی کہ اس کے کھیل پر پابندی لگادی جائے۔ اسے بچپن سے لطف اندوز ہونے دو بیوی۔"

پھر وہ اپنے بچپن کے قصے سناتے یا یہ کہ ان پر کم عمری میں ذمے داری کا بوجھ اٹھانا پڑ گیا۔ کھیل یا کھیل کا میدان کہیں دور چلا گیا۔ اب بھی حسرت ہے کہ کاش کچھ کھیلے ہوتے۔

"میں تو۔۔۔ اگر تم مذاق نہ اڑاؤ تو ابھی ان بچوں کے ساتھ جگنو پکڑنے دوڑ پڑوں۔ یہ کرکٹ کھیل رہے ہوتے ہیں تو ان سے زیادہ خوش میں ہوتا ہوں۔ ایک دن فراز کے ساتھ باکی کھیل کر بڑا سکون اور آسودگی ہوئی۔ ہاں ہاں۔ سچ۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں میٹرک میں

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

پوزیشن لاکر اونچی ہواؤں میں اڑ رہی تھی اور لان میں چھلانگیں لگا رہی تھیں۔ ایاز نے ڈھیروں جگنو پکڑ کر میرے دوپٹے کے آنچل میں باندھ دیئے تھے۔ دونوں آنچل جگنوؤں سے بھرے تھے۔ ان میں گرہ بھی لگا دی تھی اور اب وہ جگنو میرے ہاتھوں میں بھر رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں کے پیالے کو میں نے جگنوؤں کا بندی خانہ بنا رکھا تھا۔ اس بندی خانے میں قیدی جگنوؤں کا احتجاج، اچھل کود، اس سے ہتھیلی میں گدگدی ہو رہی تھی۔ اور مجھے ہنسی بھی آ رہی تھی۔ ادھر آنچلوں کی جگمگاہٹ کو بھی مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ مزا آ رہا تھا۔

میں نے ایاز سے کہا بھی کہ اب بس کرو اندر جا کر جالی کے دروازے سے چپکا دیں لائٹ بند کر کے۔ مگر ایاز باڑھ کے اندر گھسا مزید جگنو جمع کر رہا تھا۔

پیچھے سے آواز آئی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔؟"

میں سچی بات ہے اچھل پڑی کہ دادی نے کہا تھا سر شام آوارہ روحیں اور جنات ادھر ادھر باغوں میں گھوما کرتے ہیں۔ سٹپٹا کر مڑ کر دیکھا شام کا سرمئی غبار سورج کی روشنی کو نگل چکا تھا۔ لان میں اندھیرا اجالے پر حاوی ہو چکا تھا۔ اور میرے پیچھے سلمان دوپٹے کے پلو پکڑے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ جالی کے دوپٹے سے جگنوؤں کی شعاعیں مدھم مدھم باہر آ رہی تھیں اور اس ہلکی روشنی کا عکس سلمان کے چہرے پر بھی جل بجھ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" انہوں نے پلو اونچا کیا۔

"یہ جگنو۔"

"اتنے زیادہ؟ کیا ان کا اچار ڈالنا ہے؟" میں چپ رہی۔ گھن بھی آئی اور جس ہتھیلی میں گدگدی ہو رہی تھی اب وہاں کیڑے رینگتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"ارے! یہ تو باہر آ کر تمہاری آستین میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

شاید دو جگنو قید سے رہائی پا کر نکل آئے تھے۔ انہوں نے آستین سے جگنو نکالا۔ اور میں نے چیخ مار کر بندی خانے کا دروازہ پاٹوں پاٹ کھول دیا۔ بلکہ اس کو منہدم ہی کر ڈالا۔ یعنی ہاتھ کھول دیئے۔ سارے جگنو گھاس پر جا گرے اور رینگنے لگے۔ قیدیوں کو رہائی کی امید نہ تھی اس لئے ان میں سے چند ہتھیلی سے چپکے رہے۔ میں نے زور سے ہاتھ جھٹکے اور دوڑتی ہوئی اندر آ گئی۔ دونوں آنچل پیچھے لہراتے رہے۔

اندر آ کر سلمان نے امی کو جگنوؤں کی کئی ڈشوں کی ترکیب اور نام بتائے۔ جگنو اچار، جگنو کباب، جگنو تڑکا دال اور تفصیل سن کر بڑی کراہیت ہوئی۔

"میں تو ان بے چاروں کے انجام پر افسردہ ہو رہا ہوں۔" وہ امی سے مخاطب تھے۔ "آخر ہیں تو جان دار۔ سانس لیتے ہیں لیکن یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ حلال بھی ہیں یا نہیں۔ یہ ضرور علم ہے کہ گوبر میں ان کی پیدائش ہے۔ خیر اس سے کیا ہوتا ہے۔ کنول جیسا پاکیزہ پھول کیچڑ میں ہوتا ہے اور اس کے کنول گٹے کھائے جاتے ہیں اور جگنو، آہ جگنو۔"

انہوں نے بڑے اسٹائل سے گردن اونچی کی۔

"وہ تو روشنی ہے۔ بلبل تک کو راستہ دکھاتا ہے" خواب دکھاتا ہے یقیناً جنتی ہو گا۔ ان کے بارے میں ہمارے شاعرِ مشرق نے نظم بھی لکھی ہے۔ واہ کیا شعر ہے۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

یہ جگنوؤں کے بارے میں فرمایا ہے اور لیجئے خالہ جان۔ یہ کام آئے والی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ ان کا سالن بنائیے، کباب تلئے، یا روشنی کا مینار تعمیر کیجئے۔"

انہوں نے یک لخت میرے دوپٹے کے دونوں پلو پکڑ کر امی کے سامنے پیش کئے جگ مگ۔ جالی کے دوپٹے میں چراغاں ہو رہا تھا۔ امی ہنس رہی تھیں۔

"خالہ جان! ان کو یونہی بھون لیں۔ یا ذبح کرنا پڑے تو میں حاضر ہوں۔"

مجھے امی کی بے ساختہ ہنسی بے وقت کی راگنی لگی اور میں آنچل چھڑا کر اندر بھاگ آئی۔ دادی کو دکھایا تو وہ بھی نصیحتیں کرنے لگیں۔

"کیوں قید کر دیا معصوم جانوں کو۔ گناہ ہو گا جا باہر

پھینک کر آ۔ بے چاروں کی گھڑی بھر کی زندگی ہے۔"

دادی بتا نہ سکیں کہ گھڑی بھر کی زندگی کیوں ہے اور میرے آنچل میں تو گھنٹہ بھر سے قید ہیں مگر زندہ ہیں۔ یقیناً کئی گھڑیاں بیت چکی ہیں۔

رات کو کھانے کی میز پر سب اکٹھا ہوئے تو ایاز نے جگنوؤں کی ڈش کا ذکر نکالا مگر میں نے اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔ فراز بھائی اسے اکساتے رہے۔ وہ میری طرف دیکھ کر رہ گیا مگر امی کو کیسے چپ کراتی وہ چپ ہوئیں تو ابی اور فراز بھائی ہنسنے لگے۔ میں نے منہ پھلا کر کہا۔

"یہ سلمان بولتے بہت ہیں۔ فضول۔"

فراز بھائی خوب ہنسے جیسے میں نے لطیفہ سنا دیا ہو۔ پر لطف اب اکثر سلمان بھائی لاؤنج میں نظر آتے۔ امی ابی دونوں ان کی تعریفیں کرنے لگے تھے۔

"بہت دلچسپ باتیں کرتا ہے۔" یہ ابی کے الفاظ تھے۔

اس دن وہ آ کر بیٹھے تو امی ابی بھی تھے۔ امی نے بہت کا پوچھا تو بولے

"میں شوگر سے بہت ڈرتا ہوں۔ شوگر کے بغیر چوٹ پی لوں گا۔"

امی فروٹ کی باسکٹ لے آئی۔ اس میں صرف کیلے تھے۔ سبز کیلے۔

"نہیں، نہیں۔ میں کیلے نہیں کھاتا۔ بعض لوگ کیلا کھانے سے بینائی کھو دیتے ہیں۔"

"نہیں جی۔ ایسا کوئی مرض سنا نہیں۔ کھاؤ بے فکر ہو کر۔" امی اصرار کرنے لگے۔

"سنا نہیں میں نے بھی مگر دیکھا ہے خود۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔ "پچھلے سال میں کوئٹہ گیا تھا۔ ایک دوست کی فرمائش پر وہاں سے ایک ملازم بھی لایا۔ بے چارہ بلوچ بیمار ٹرین پر بیٹھا تھا۔ ڈر کے مارے گھگھی بندھ گئی میں نے اسے بہلانے کے لئے چھ کیلے دیئے کہ یہ کھانے کے شغل میں ڈرنا رک جائے۔ وہ کھانے لگا اتنے میں سرنگ آ گئی۔ اچانک گھپ اندھیرا چھا گیا مجھے اس بلوچ کی سہمی ہوئی چیخ سنائی دی۔

"صاحب جی!" میں نے کہا "ہاں بھئی رحیم گل کیا ہوا؟" بولا "آپ نے کیلا کھایا؟"

میں نے کہا "نہیں بھئی ابھی تو نہیں کھایا۔" تو بولا "کھانا بھی مت۔ ابھی میں نے ایک کیلا کھایا ہے تو اندھا ہو گیا ہوں۔" اتنے میں ٹرین سرنگ سے نکل آئی۔ روشنی آئی تو وہ سجدے میں گر کر شکر بجا لایا کہ ایک ہی کیلا کھایا تھا تو بینائی تھوڑی دیر کے لئے گئی اگر تو ارادتاً" چھ کے چھ کیلے کھا لیتا تو عمر بھر کو اندھا ہو جاتا۔"

امی ابی ہنسنے لگے۔ میں جو اندھا ہونے کا سن کر کیلا واپس باسکٹ میں رکھ چکی تھی اور حیرت سے ابی کو ہنستا دیکھ رہی تھی۔ فراز بھائی نے باسکٹ اپنی طرف کھسکائی تو میں غیر ارادی طور پر انکار میں گردن ہلانے لگی۔ فراز بھائی نے میرا کیلا (بے چارا) اٹھایا اور کھانے لگے۔ پھر تو سلمان بھی کھانے لگے اور چند سیکنڈ سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد بھائی سے بولے۔

"کچھ نہیں ہوا۔" اور دونوں ٹوٹ پڑے۔ تین تین کیلے کھا کر ارشاد ہوا۔

"وہ ٹرین میں شاید زہریلے ہوتے ہوں گے۔ ٹرین میں کبھی کیلا نہ کھانا۔"

یہ مجھ سے کہا گیا۔ فراز بھائی بھی سلمان کے ساتھ مل کر عجیب عجیب حرکتیں اور باتیں کرنے لگے۔ ہر بار جب آتے میرا مذاق اڑایا جاتا۔ اور فراز بھائی برابر ساتھ دیتے۔

ایک دن میں نے چڑ کر کہہ دیا۔ "میں اتنی بھی بے وقوف نہیں کہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکوں۔ میں اب کالج گرل ہوں جناب۔"

دونوں ہو ہو کر کے ہنسنے لگے۔ "کالج میں سنا ہے بے وقوف لوگ جاتے ہیں۔" وہ فراز بھائی سے مخاطب ہوئے۔

پھر میری طرف دیکھا۔ "تمہیں کسی نے فرسٹ ایپرل فول نہیں بنایا؟" میں سوچ میں پڑ گئی۔ فرسٹ اپریل فول تو خیر جانتی تھی مگر.....

UrduPhoto.com
OneUrdu.com Designed By HarfeDua @ OneUrdu.com

"بھئی بنے بنائے کو مزید کون اور کیوں بنائے گا۔" فراز بھائی سمجھانے لگے۔ "دراصل گرلز کالج میں تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ بالکل صبی جیسی۔ کیوں صبی۔؟"

"جی... جی بھائی۔" میں خوش ہوئی کہ فراز بھائی آج میری حمایت میں بولے۔

"تو بس! سب ایسی ہی عقل سے کوری۔ انہیں خود بے وقوف بننا آتا ہے۔ بنانے کی صلاحیت نہیں۔"

میں منہ پھلا کر دادی کے پاس آبیٹھی۔ "بے وقوف کہتے رہتے ہیں۔ بے وقوف ہوتی تو اتنے اچھے مارکس لیتی؟ اتنے اچھے مشہور کالج میں داخلہ ہو سکتا تھا؟ خود ابی نے کئی بار میری ذہانت کی تعریف کی تھی اور ابی ہر کسی کی تعریف نہیں کرتے۔ کم از کم فراز بھائی کی ذہانت کی تو کبھی انہوں نے تعریف نہیں کی۔ ابھی پچھلے سال تک تو یہی کہتے تھے کہ ٹانگیں لمبی ہوتی جارہی ہیں عقل کم سے کم ہو رہی ہے۔ کبھی کہتے اس قد قامت کا فائدہ کرکٹ ہاکی کو ہوتا ہے۔ عملی زندگی میں یہ بیکار ہے۔ کام آتی ہے عقل و فراست جس سے صاحبزادے عاری ہیں۔ امی فورا کہتیں۔ ارے واہ جب ضرورت ہوگی عقل بھی آجائے گی۔ ابھی تو پڑھ رہا ہے۔ پڑھنے دیں سکون سے۔"

مگر میں ابی کی رائے سے متفق تھی۔ صد فیصد۔

دوبئی سے خوشخبری سننے کو ملی۔ آپی دو عدد کیوٹ سے بیٹوں کی امی جان بن گئی تھیں۔ آپی کی ساس بے حد خوش تھیں۔ دولہا بھائی چار بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور عرصہ دراز کے بعد یہ نعمت انہیں ملی تھی۔ آپی کی ساس کی تو فون پر خبر سناتے ہوئے شاید باچھیں چری ہوئی تھیں کہ بات بھی مشکل سے کر رہی تھیں بار بار خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ امی نے بھی شکرانے کے نفل پڑھے۔

دادی نے کہا۔ "مبارک ہو تم لوگ نانا نانی بن گئے اور میرے تو پر لگ گئے ہیں۔ میں بچوں کی پرنانی ہوگئی۔"

گھر میں خوب خوشی منائی گئی۔ ابی نے مٹھائی تقسیم کی۔ بہت سے لوگ مبارک باد کو آئے۔ اب بچوں کو دیکھنے اور آپی سے ملنے کی شدید خواہش تھی۔ مگر مجبوری۔

پھپھو مبارک باد کے لئے آئیں۔ مگر ان کی آواز میں جوش یا خوشی نہ تھی۔ پژمردہ آواز، چہرہ بے رونق شاید انہیں اپنی سوتی گود کا خیال ہو۔ انکل البتہ پرجوش تھے۔ انہوں نے سب کو رس ملائی کھلائی۔ سلمان کامران اپنی امی کو بھی لائے تھے۔ اب اکثر کامران بھی سلمان کے ساتھ آجاتے۔ کامران بھی کم نہ تھے۔ حد سے زیادہ باتونی۔

دادی بتا رہی تھیں کہ عارف کی والدہ کو پوتے پوتی کی آرزو شدید ہوگئی ہے۔ روحی کے بچوں کا سن کر رونے لگیں کہ کل کی بچی ماں بن گئی اور ہماری بہو خالی گود لئے بیٹھی ہے۔

"اماں! آپ انہیں سمجھائیں۔ یہ تو نصیبوں کی بات ہوتی ہے اور اولاد تو مرد کی قسمت سے ہوتی ہے۔"

امی دادی سے پھپھو کی حمایت کرنے لگیں۔ دادی سرد آہ بھر کر بولیں۔

"بس دلہن۔ ہے تو تمہاری بات صحیح مگر مایوسی عقل خبط کر لیتی ہے ورنہ خوشی کے موقع پر آکر میرے سامنے آنسو بہانا کوئی عقل مندی تو نہیں لیکن قائل معافی ہیں کہ ان کے بھی تو ارمان ہیں۔"

کامران کا تو میڈیکل میں تہلکہ مچانے کا پکا پروگرام تھا اس قدر منصوبے، پالیسیاں اس لڑکے کے ذہن میں تیار تھیں کہ میرا تو سن سن کر سانس پھولنے لگتا۔ البتہ میری اس سے اس لئے بھی دوستی ہوگئی کہ وہ میرا مذاق نہیں اڑاتا تھا بلکہ خود اپنا اور اپنے سبجیکٹ کو مذاق کا نشانہ بناتا۔ بننا تو تھا اسے ڈاکٹر لیکن اس کے دماغ میں لطیفے کچھ زیادہ ہی کلبلاتے تھے اور گفتگو کے لئے اسے کسی ہم عمر ساتھی ہی نہیں کوئی بھی مل جائے ایاز ہو، فراز بھائی ہوں یا امی ہی کیوں نہ ہوں۔ سب کے ساتھ شروع ہو جاتا۔

اس دن وہ کچھ عجیب مسمسی صورت بنائے بیٹھا

UrduPhoto.com
Scanned By Hafee Dua for OneUrdu.com

تھا۔ میں تو گھبرا گئی۔
پوچھ لیا کہ طبیعت تو ٹھیک ہے۔
تو اداس ہو کر کہا۔ "طبیعت کو کیا ہونا ہے اسے تو میں خود صاف کر لیتا ہوں۔ جو کسر رہ جائے اسے بھائی میاں ٹھکانے لگا دیتے ہیں مگر یہ جو میرا دماغ ہے یہ مجھے ایک زاویے پر ٹھہرنے نہیں دیتا۔ اب اس کا اصرار ہے۔۔۔"
"کس کا۔۔۔ دماغ کا؟" میں نے غور کیے بغیر پوچھ لیا۔ اس کی باتیں نا سمجھ میں آنے والی تھیں۔
"ہاں بھئی، یہی دماغ جو میرا اپنا ہے۔"
وہ بات کاٹنے پر جز بز ہوا اور کچھ بڑبڑایا۔ مجھے لگا کہ وہ مجھے زیر لب کوڑھ مغز کہہ رہا ہے۔
"تو اس کا اصرار ہے کہ میں میڈیکل کے لئے ان فٹ ہوں، یا مس فٹ ہوں۔ تو اب مجھے سائیکالوجی لے لینی چاہئے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"
"ارے! اگر آپ کو ڈاکٹر بننے کا شوق جو ہے؟"
"وہ تو ہے۔ سائیکالوجی پڑھ کر ڈاکٹر ہی بن جاؤں گا۔ علاج تو اس میں بھی کرنا ہو گا۔"
"لیکن اپنے شوق اور فیوچر کے بارے میں کچھ سوچا ہے یا۔۔۔"
"سوچا ہے۔ لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ سائیکالوجی میری ضرورت ہے۔"
"کیوں جی! آپ سائیکلوں کی مرمت کرتے ہیں۔" ماسی جھاڑ پونچھ چھوڑ چھاڑ آ کر کھڑی ہو گئی۔
"ہاں۔ تمہارے دماغ کی مرمت کر دوں گا۔" وہ چڑ گیا، پھر میری طرف مڑ کر بات شروع کی۔
"بس ایک دقت ہے۔ پڑھنا پڑتا ہے۔ بہت زیادہ۔ لیکن اس کا بھی حل میں نے تلاش کر لیا ہے۔ اب میں روز ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتا ہوں اور وہیں میں نے دیکھا کہ سائیکالوجی بہت دلچسپ مضمون ہے۔ میڈیکل بے حد خشک اور دماغ کھپانے والا ہے۔"
"مگر ہم نے تو سنا ہے سائیکالوجی خشک مضمون ہے اور مشکل بھی۔"
"یہ تو اپنی اپنی ذہانت پر منحصر ہے۔ مجھے صرف ایک چیز نے دلچسپی لینے پر مجبور کیا۔" (مجھے بے وقوف بنا دیا) میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "مریض۔ بہت ہی دلچسپ ہوتے ہیں اور ان کے سوالات۔ واہ وا۔ کمال کے سوالات۔" وہ چھت پر نظر جما کر لطف لینے لگا۔
"مگر سوالات تو ڈاکٹر خود کرتا ہے۔ مریض تو جواب دیتے ہیں۔"
"بس اتنی ہی معلومات ہیں تمہاری۔" وہ افسوس کے لہجے میں بولا۔ "سنو! ابھی میں کل جس ڈاکٹر کے پاس جائزے کے لئے گیا وہاں میرے سامنے ایک مریض آیا۔ حالانکہ ڈاکٹر مریض سے تنہائی میں بات کرتے ہیں بلکہ یہ کہو کہ مریض کے ذہن کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے انہیں تنہائی درکار ہوتی ہے مگر چونکہ میں نے جاتے ہی اپنی قابلیت کے ایسے نمونے پیش کئے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ میں کافی لائق فائق مائنڈ نفسیات ہوں۔ تو مریض نے مجھے، میں نے مریض کو گھور کر دیکھا۔ ڈاکٹر نے میز کھنکھٹا کر مریض کو اپنی جانب متوجہ کیا اور کھنکھار۔۔۔ کر گلا بھی صاف کیا۔ تب اس مریض نے ڈاکٹر سے کہا۔
"ڈاکٹر! میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے۔ مجھے لمبے موزے پسند نہیں۔" مریض کی ہمت بندھانا ضروری تھا اس لئے ڈاکٹر نے دانت نکالے اور ہنس کر کہا۔
"مجھے بھی لمبے کے بجائے چھوٹے موزے پسند ہیں۔" یہ سن کر مریض خوشی سے بے حال ہو گیا۔ اس نے میز پر چڑھ کر قلابازی لگائی۔ دوسری سمت کود کر ڈاکٹر کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور بولا۔
"اچھا تو آپ انہیں تل کر کھانا پسند کرتے ہیں یا کچا ہی۔"
میں کامران کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکی کہ مذاق کر رہا ہے یا کچھ حقیقت بھی ہے۔ اس لئے میں ہنس نہ سکی۔ تو منہ بنا کر دوسرا قصہ سنانے لگے۔
"اب دوسرے ڈاکٹر کے پاس گیا۔ وہاں۔۔۔"
"وہاں بھی تم نے اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑے

ہوں گے جاتے ہی۔"
"یقیناً" یقیناً" مائی ڈیر واٹسن! ایسا ہی ہوا۔ اور پھر جو مریض آیا وہ اپنے ساتھ اپنی ملازمہ کو لایا۔ کہنے لگا۔
"ڈاکٹر صاحب یہ ہماری پرانی ملازمہ ہے اسے یہ شک ہے کہ یہ مرغی ہے۔" ڈاکٹر نے پوچھا اسے یہ بیماری کب سے ہے تو مریض نے کہا۔
"مریض کیوں۔ مریضہ تو ملازمہ تھی۔" میں نے ٹوکا۔
"صبر نہیں ہے محترمہ آپ میں، بالکل بھی صبر نہیں۔ آپ کو بھی کسی ایسے ہی ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔ خیر۔۔۔ مجھے منہ بناتے دیکھ کر کامران نے بات پھر وہیں سے شروع کی۔
"تو مریض سے ڈاکٹر نے پوچھا اسے یہ بیماری کب سے ہے۔" مریض نے کہا۔ "اسے یہ بیماری دس سال سے ہے۔" ڈاکٹر نے۔۔۔
"پھر وہی مریض۔ جبکہ بیماری ملازمہ کو تھی۔" میں نے زچ ہو کر کہا۔
"بے صبری خاتون۔" کامران نے مجھے گھور کر کہا۔ "ارشاد کیا۔ یہ سائیکالوجیکل کیس ہے۔ اسے غور سے سنئے۔ درمیان میں دخل دینے کی قطعی ضرورت نہیں۔ آپ نے سارے واقعے کا لطف ضائع کر دیا۔ تو ڈاکٹر نے کہا، دس سال سے اسے یہ بیماری ہے اور تم اب اسے لے کر آئے ہو؟"
"مریض۔ ہاں وہی مریض تھا۔" بولا۔ "تو انڈے کون دیتا ہے؟"
مجھے ہنسی آ گئی۔ "کامران! تم لطیفے اچھے بنا لیتے ہو۔"
"میں کل ہی تمہیں کسی سائیکالوجی کے مریض، اوہ نہیں بھئی ماہر سے ملوانے لے جاؤں گا اور میں نے تو کئی مریض ایسے بھی دیکھے ہیں جو خود کو کتا، بلی اور خرگوش سمجھتے ہیں۔"
کامران، سلمان سے زیادہ بولتا ہے یہ اندازہ ہو گیا تھا۔ پھپھو کو ان کی خوشی پسند نہ تھی۔ وہ دادی سے کہتیں۔
"چچی بی! فراز کے بہت پر نکل آئے ہیں۔ اسے سمجھائیں زیادہ ہنسنے والا روتا بھی بہت ہے۔"
دادی تو فراز بھائی کے بہت لاڈ کرتی تھیں وہ بھلا کچھ کہہ سکتی تھیں۔
پھپھو الٹی سے بھائی کی شکایت کرتیں اور ڈانٹ پڑوا کے بہت خوش ہوتیں۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ ضد میں بھائی پھپھو کو خوب تنگ کرتے۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھپھو نے اب یہ وتیرہ اختیار کیا کہ اپنے گھر سے ڈھیروں کام لے کر آ جاتیں۔ کبھی سلائی، کبھی بُنائی، رضائیاں، کشن اور نہ جانے کیا کیا۔
امی تو ظاہر ہے کہ نہیں کر سکتی تھیں لہٰذا میری شامت آتی۔ اب خواہ مجھے کوئی کام ہے یا پڑھنا ہے یا دادی کے کام سے لے کر امی کے ہاتھ بٹانے تک کچھ بھی۔ مگر مجھے سب کچھ چھوڑ کر پھپھو کا کام ضروری کرنا ہے اور یہ کہ آج ہی ہونا چاہئے۔
فراز بھائی کی اس بات پر بھی پھپھو سے جنگ ہو گئی۔ ہوا یہ کہ مجھے سخت فلو تھا۔ میں شال لپیٹے دادی کے پاس لیٹی تھی کہ پھپھو وارد ہوئیں وہ اپنا سوٹ لائی تھیں۔ مجھ سے کہا۔
"چلو اٹھو۔ سی کر دو۔ کل مجھے پہننا ہے۔"
دادی نے کہا۔ "ہائیں! اسے سینا کب آتا ہے۔ سوٹ کا ستیاناس کرواؤ گی صائمہ۔"
"چچی بی! نخرے نہ بڑھائیں اس کے۔ میں نے بھی اسی عمر میں سینا پرونا سیکھ لیا تھا۔ آپ نے ہی سکھایا تھا اور اب ساری سلائی مجھ سے کرواتی تھیں۔"
"تو تم فارغ ہوتی تھیں۔" دادی نے فوراً کہا۔ "پڑھنے میں تمہیں دلچسپی نہ تھی۔ بچن سے میلوں دور بھاگتی تھیں۔ میں نے تمہارے بھلے کو سلائی کڑھائی سکھا دی کہ اگلے گھر جا کر کچھ تو کرنا ہو گا تمہیں۔"
مگر پھپھو کا اصرار کہ میں ہی ان کا سوٹ سیوں اور آج ہی۔ سر میں درد تھا۔ زکام، چھینکیں، مگر۔۔۔ پھپھو

UrduPhotram
HarfeDua @ OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

کی ڈانٹ پر اٹھی۔ مشین پر بیٹھتے ہی چھینکنا شروع کردیا۔ بھائی آگئے۔ ڈانٹنے لگے کہ طبیعت خراب ہے تو کیوں مشین لے کر بیٹھی۔ خیر بتایا۔ انہوں نے پھپھو سے کہا۔

"آپ خود سلائی کرلیں۔ صبی کی طبیعت واقعی خراب ہے۔"

"تمہیں کیا تکلیف ہے۔ وہ تو بیٹھ گئی ہے سلائی کرنے۔ تمہاری خوامخواہ جان نکل رہی ہے۔" پھپھو تنک کر بولیں۔

"میری بہن ہے۔ اس کی تکلیف کا احساس مجھے نہیں ہوگا تو کیا آپ کو ہوگا۔" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور پلنگ پر لٹادیا۔

پھپھو نے دادی کو رو رو کر بھائی کی "بدتمیزی" کا قصہ سنایا۔ پھر ابی سے بھی شکایت کی کہ ابی خفا ہونے لگے۔ بھائی نے ابی سے کہا۔

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ صبی کو بخار ہے۔ پھپھو اپنے کپڑے اپنے گھر میں بیٹھ کر سی سکتی ہیں۔ صبی ہی کیوں سیے۔ انکل کی امی کو اکیلا چھوڑ کر آجاتی ہیں وہ بیمار آدمی۔ اور شہر میں درزیوں کا کال نہیں پڑا۔ کسی سے سلوالیں۔"

"میرے معاملے میں کچھ نہ بولنا۔ میں اپنے گھر میں کچھ کرتی ہوں یا نہیں، تمہیں اس سے کیا۔ میرا جو جی چاہے گا کروں گی۔ چاہے کسی سے سلواؤں۔ تم کون ہو دخل دینے والے۔" پھپھو خوب چلائیں۔

"تو جو کرنا ہے اپنے گھر میں کریں۔ ہمارے گھر کا پیچھا چھوڑ دیں۔" سخت لہجہ تھا بھائی کا۔

پھپھو کا چہرہ غصے اور اشتعال کی گرمی سے سرخ ہوگیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بھائی کو تھپڑ مارنا چاہا۔ بھائی نے ان کی کلائی پکڑلی اور آرام سے گویا ہوئے۔

"نہیں پھپھو! اب نہیں۔ بہت مار کھائی ہے آپ سے۔ مگر اب نہیں۔" کہہ کر وہ چلے گئے۔ پھپھو اپنی جگہ کھڑی رہ گئیں۔ مگر پھر بولی نہیں۔ اپنا سوٹ اٹھا کر چلی گئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

سلمان، کامران اور بھائی نے اپنے جیسے چند بے فکرے جمع کرکے کلب کی بنیاد ڈالی۔ کالج سے آتے ہی بھائی گراؤنڈ پر چلے جاتے اور خوب تھک کر آتے ساتھ میں سلمان، کامران ہوتے۔ آتے ہی لان میں گر جاتے۔ لوٹیں لگاتے اور نہ جانے کیسے قصے سناتے کہ خود ہی قہقہے لگاتے۔ پھر ہمارے لان میں بھی میچ ہونے لگا۔ مگر کبھی کبھار۔ کیونکہ مالی بابا نے گھاس خراب ہونے پر ریٹائرمنٹ کی دھمکی دے دی۔ تو بس کبھی کبھی چار پانچ لڑکے ہوتے، بھائی، کامران، سلمان ہوتے۔ ایاز مسلسل فیلڈنگ پر مامور۔ کبھی کبھی اسے بیٹنگ یا بالنگ بھی مل جاتی۔ پھر مسواک کوشش کے بعد کوئٹہ چمن کے چند کلبوں سے ٹورنامنٹ کا معاملہ طے ہوا۔ امی نے مخالفت کی مگر بھائی نے وعدہ کیا کہ یہ آخری اور پہلا ٹورنامنٹ ہے۔ واپس آکر وہ صرف اور صرف پڑھائی پر توجہ دیں گے۔ دراصل ان کے کلب کے علاوہ بھی دو تین کلبوں نے کوئٹہ جاکر کھیلنے پر رضامندی دے دی تھی۔

ابی نے بھی بھائی سے کچھ وعدے لے کر اجازت دے دی اور ایک دن بھائی، کامران، سلمان کی روانگی ہوئی۔ تینوں کے پاس بھاری بھرکم بیگ تھے۔ ڈرائیور کو پہلے ہی بس سے اسٹیشن بھیج دیا گیا۔ میں اور ایاز بھی کامران کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھے کیونکہ سلمان نے بھائی سے میری سفارش کی تھی کہ اسے لے چلو۔ بچی اسٹیشن کی بتیاں ہی دیکھ لے گی۔

چنانچہ میں بھی اسٹیشن گئی۔ پلیٹ فارم پر کرکٹ پلیئرز کا جم غفیر تھا۔ بہت سے لڑکے کرکٹ کی کٹ میں تھے اور دور سے پہچانے جارہے تھے۔

"شوباز کہیں کے۔ دیکھنا یہ ہار کر آئیں گے۔" کامران نے اندازہ لگایا۔

"کہیں ہمیں ان کی ہار مہنگی نہ پڑجائے۔" سلمان نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ پھر مجھ سے بولے۔

"دعا کرنا ہم ٹورنامنٹ جیت کر آئیں۔"

بھائی اور کامران سیٹوں کا پتا کرنے گئے تو سلمان نے مجھ سے عجیب سی بات کی جو آج تک کبھی کسی نے

نہیں کی تھی۔ پہلے انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

"تم ہم دونوں بھائیوں میں کس کو زیادہ پسند کرتی ہو۔" میں بے وقوفوں کی طرح انہیں دیکھ کر رہ گئی تو بولے۔

"کامران بہت بے تکلف ہے تم سے، اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ تم نے اسے دل میں تو نہیں بسالیا۔ ابھی بتادو۔ تاکہ میں اپنے قدم پیچھے ہٹالوں۔ بولو بھئی۔"

"اف..... اس قدر تو پلیٹ فارم پر شور تھا۔ ہر قسم کا شور۔ اوپر سے سلمان کی بات سن لینے کے بعد بھی میں سمجھ نہ سکی تھی۔

"اچھا..... تو کامران پسند ہے تمہیں۔ بحیثیت لائف پارٹنر۔"

"میں تیزی سے گردن ہلانے لگی انکار میں، تو بولے۔

"اچھا! اور میں؟ جلدی..... جلدی بولو۔"

سچی بات ہے مجھے سلمان اچھے لگتے تھے۔ وہ تھے ہی بہت اچھے لگنے والے۔ شکل صورت، قد و قامت کے علاوہ ان کی باتیں، آواز، لہجہ سب کچھ متاثر کرنے والا تھا۔ میں جواب دینے کے بجائے ان کی طرف پیٹھ کرکے کھڑی ہوگئی۔ پلیٹ فارم کا ہنگامہ، شور شرابا اور سے کئی لڑکوں نے وہیں میچ شروع کردیا۔ وہ سامنے آگئے۔

"کیا شرما رہی ہو؟"

میں نے جھینپ کر گردن ہلائی اقرار میں۔ "من بھر کا سر ہلانا آسان ہے۔ دو تولے کی زبان نہیں ہل رہی۔" وہ چڑ گئے۔ "اچھا سچ بتاؤ میں تمہارے ساتھ جچوں گا تو..."

مجھے زور کی ہنسی آگئی۔ ساتھ ہی گڑگڑاتی شور مچاتی ٹرین بھی۔ بھائی دوڑتے آئے۔ کامران بھی تھا اس نے مجھ سے پرخلوص مصافحہ کیا۔ ٹوپی سر سے اتار کر جھک کر سلام کیا۔

"دعا کرنا ہم میچ جیت کر آئیں۔ اور میں تو اپنی ٹیم کا ہیرو بن جاؤں بلکہ اٹوٹ انگ۔"

کامران دوڑتا چلا گیا۔ فراز بھائی کسی کے ساتھ بات کررہے تھے۔ تو سلمان نے کہا۔

"صبر سے انتظار کرنا۔ رزلٹ اچھا ہی آئے گا۔ جاب مل گئی ہے مجھے اور دیکھو آنٹی میرے بارے میں پوچھیں تو کہنا۔ بہت اچھے ہیں۔ کیا کہو گی؟"

"بہت اچھے ہیں۔" میں نے گردن ہلانے کے ساتھ کہا۔

"گڈ۔ سمجھ دار بھی ہو۔ اور ہاں شادی کا ذکر ہو تو یہ نہ کہنا کہ مجھے تو ابھی پڑھنا ہے۔ بھئی میں خود پڑھالوں گا تمہیں۔ اتنا ہی شوق ہوگا تو۔"

وہ خدا حافظ کہہ کر چلے تو بھائی نے مجھے اور ایاز کو خدا حافظ کہا۔ کتنے ہی لڑکے بھائی کے آس پاس کھڑے تھے اور میں اکیلی لڑکی، سب لڑکے شاید ایک ہی بوگی میں سوار ہوئے اور بیٹھنے کے بعد سب کی گردنیں کھڑکی سے باہر لٹکی ہوئی تھیں۔ سب مجھے دیکھ کر خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ ہاتھ ہلا رہے تھے۔ ٹرین رینگنے لگی تو بھائی نے بلند آواز میں دروازے پر کھڑے ہوکر کہا۔

"اچھا صبی! ایاز، خدا حافظ۔"

ہر کھڑکی سے آواز بلند ہوئی کورس میں۔ "اچھا صبی ایاز خدا حافظ۔"

مجھے اور ایاز کو ہنسی آگئی تو سب قہقہہ لگانے لگے۔ اب ٹرین کافی آگے چلی گئی تھی اور پلیٹ فارم بالکل سونا تھا۔ ساری رونق کھلاڑی لے اڑے۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھپھو اب روز آنے لگیں۔ دادی سے کھسر پھسر کرتیں کبھی ابی کے کمرے میں ڈیرا جمالیتیں۔ ابی کا معذرت خواہانہ سا لہجہ ہوتا۔ کبھی وہ بلند آواز میں بھی کسی بات سے انکار کررہے ہوتے۔ کبھی پھپھو کے رونے، بلکنے کی آواز بھی آتی۔ پھر ایک دن وہ زور زور سے روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"ارے یتیموں، بے کسوں کا کون پرسان ہوتا ہے۔ پال پوس کر احسان کیا ہے۔ ہائے کوئی غیر عورت سوکن بن کر بیٹھ جائے گی۔ میرے گھر پر اس کا قبضہ

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

ہوگا۔ نوچے گی میرا کلیجہ' ہائے اماں' ہائے ابا' تم کیوں چھوڑ گئے مجھے۔ لے جاتے اپنے ساتھ۔ ہر دکھ سے نجات پالیتی میں۔ ہائے کیا کروں۔" سینہ پیٹنے لگیں۔

امی پریشان ادھر سے ادھر پھر رہی تھیں غالباً" پھپھو کی ساس نے پھر کوئی دھمکی دی تھی' انکل کی دوسری شادی کی۔ اور اس روز امی دادی کے پاس بیٹھی رو رہی تھیں۔

"اماں! آپ کچھ بولتی کیوں نہیں۔ کوئی ظلم سا ظلم ہے۔ قصور کیا ہے میرا۔ میری محبت' مروت اور خلوص کا یہ انعام؟ آپ ہی سمجھائیں بیٹے کو۔"

پھر اگلے دن حواس باختہ میرے پاس آئیں۔ ان کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ لگتا تھا روتی رہی ہیں۔ آتے ہی مجھے گلے لگالیا۔ اور میں نے ان کی روتی ہوئی آواز سنی۔

"انکار کردینا۔ میری بچی! تم انکار ضرور کردینا۔" کہہ کر عجلت میں باہر نکل گئیں۔

پھر باہر وہ کسی سے کہہ رہی تھیں۔ "فراز کو تو آنے دو۔ بڑا بھائی ہے اس کی رائے مشورہ بھی ضروری ہے۔ آخر جرم کیا کیا ہے بچی نے کہ یوں افراتفری ....."

مگر لگتا تھا کہ کوئی امی کی آواز نہیں سن رہا۔ یا انہیں اہمیت نہیں دی گئی۔ پھر ابی میرے پاس آئے آتے ہی کچھ بھرے گلے سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"مجھے تمہاری سعادت مندی' فرماں برداری پر فخر ہے۔ مجھے اپنی تربیت پر بڑا مان ہے۔ یوں مجھو تمہاری اور تمہارے باپ کی آزمائش ہے۔ امید ہے تم مجھے مایوس نہیں کروگی۔ بیٹا میں مجبور ہوگیا ہوں۔"

کہہ کر باہر نکلے اور میں گم صم دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔ امی باہر چیخ رہی تھیں اور ابی تھکی تھکی آواز میں کہہ رہے تھے۔

"اس نے مجھ سے اپنا حق مانگا ہے۔ تم جانتی ہو میں انکار نہیں کرسکتا۔ نہ اسے مرتا ہوا دیکھ سکتا ہوں۔"

"ارے وہ کچھ اور مانگ لیتی۔ میری جان طلب کرلے۔ ہم سب کی زندگیاں تو نہ مانگے۔ میری بچی کی خوشیاں تو نہ چھینے۔ ایک بار آپ صبی سے صاف الفاظ میں پوچھ تو لیں۔ اسے تو آس پاس کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ کتنی معصوم....."

امی رو رہی تھیں بلند آواز سے اور میرا دل دھک دھک کرتا سینے کی دیوار توڑ رہا تھا۔

"میں اس کا باپ ولی' سرپرست ہوں۔ میں اپنا اختیار استعمال کررہا ہوں۔ بس سمجھ لو یہی تمہاری بیٹی کا مقدر ہے۔"

"تو.... تو فراز کا انتظار.... اسے بلالیں۔"

"تم جانتی ہو وہ کبھی نہیں مانے گا۔ پتا نہیں امی ابی کیوں لڑ رہے تھے۔ امی تو ہمیشہ ابی کی بات بحث کے بغیر مان لیتی تھیں۔ اختلافات' انکار' کبھی کرتی نہیں تھیں۔ ابی نے تو کبھی تیز آواز میں امی سے بات نہیں کی تھی۔ پھر اب.... پھر دادی نے مجھے پاس بٹھا کر سمجھایا۔

"صائمہ کی آرزو ہے۔ وہ چاہت کے ساتھ تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتی ہے (سلمان کے بجائے انکل کے ساتھ نکاح کرکے) صائمہ کی ساس عارف کی دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں۔ (تو کرنے دو) نہ جانے کیسی کیسی آئے۔ (آنے دو جیسی بھی ہو) صائمہ کی بادشاہت ختم ہوجائے گی (تو ہونے دو) اور اس مسئلے کا حل.... میری زندگی کی قربانی دینے سے.... کہ وہ محبت کے ساتھ مجھے اپنے ساتھ.... ارے۔ میں دم بخود دادی کو دیکھتی رہی۔

"میں! میں! دادی میں؟"

دادی نے سر جھکالیا۔ ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگے بھیگے کیوں تھے؟ کیا انہیں بھی دکھ تھا کوئی۔

"تمہارے باپ نے صائمہ کے ماں باپ کی روحوں سے عہد کیا تھا کہ کبھی صائمہ کو کسی محرومی' کسی دکھ کا احساس نہیں ہونے دیں گے۔ انہیں اپنا عہد نبھانا ہے اور تمہارا فرض ہے کہ اپنے باپ کے اس عہد کے تقدس کی پاسداری کرو۔

بیٹا! زندگی میں وہ سب تو نہیں ملتا جس کی آدمی

آرزو کرتا ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی کمی' کسر رہ جاتی ہے اور حرج بھی کیا ہے۔ عارف کا صائمہ سے کوئی جوڑ نہ تھا۔ صائمہ چھ برس بڑی ہے وہ تم سے پندرہ سال بڑی ہے۔ عارف عمر کے لحاظ سے تمہارے لئے مناسب ہی ہے۔ پھر یہ کہ....."

نہ جانے دادی اور کیا کچھ کہتی رہیں۔ میرا ذہن سائیں سائیں کررہا تھا۔ میں' میرا قصور؟ میرا بھی کوئی عہد' کوئی وعدہ ہوگا۔ یہ کسی نے جاننا نہیں چاہا۔ میں سلمان کو.... مگر میری کون سنے۔ ابی کا عہد۔ ابی کا وعدہ مرد روحوں سے۔ اور پھپھو صائمہ بیگم کی آرزو۔ ابی کی محبت اور تربیت اور میری سعادت مندی۔ ایسا بھی ہوجاتا ہے یہ کوئی انہونی نہیں اس لئے میں نے پھپھو کی آغوش محبت میں بیٹھے بیٹھے سارے کاغذات سائن کردیئے جو بھی میرے سامنے لائے گئے اور پھپھو نے چٹاچٹ مجھے چوم لیا۔ ان کی مسرت کی انتہا نہ تھی۔ امی پتا نہیں کہاں چھپ گئی تھیں۔

ابی نے ہی میرے جنازے کو سہارا دے کر گاڑی میں سوار کیا۔ میری معصوم نوزائیدہ محبت کی نرم کونپل ایک گرم ہوا کے جھونکے سے مرجھا چکی تھی اور میرا اقرار وفا روحوں سے کئے عہد نے مٹی میں ملادیا۔ میں شاید گاڑی میں سوگئی تھی یا بے ہوش ہوگئی تھی۔ بمشکل گھسیٹ کر پھپھو نے مجھے باہر نکالا۔ انکل اتر کر اندر جاچکے تھے۔ میں پھپھو کے سہارے گھر میں داخل ہوئی۔ پھپھو مجھے اپنی ساس کے پاس لے گئیں۔ گھر میں سناٹا تھا۔ کسی مہمان کی آواز نہ تھی۔

"لو۔ ساس کو سلام کرو۔" یہ مجھ سے کہا۔ پھر ساس سے مخاطب ہوئیں۔

"لیں اماں جی! سنبھالیں آپ کے لئے خادمہ لے آئی ہوں۔ قبول کریں۔ اب آپ مجھ سے شکایت نہ کریں تنہائی کی۔ یہ چوبیس گھنٹے آپ کے پاس رہے گی۔ خدمت کرے گی۔ جو مجھ سے نہ ہوئی۔"

پھپھو چبا چبا کر بول رہی تھیں۔ میں اماں جی کے پلنگ پر جا گری۔ شاید پھپھو نے دھکا دیا تھا۔ اماں جی نے مجھے سنبھالا اور آزردہ لہجے میں کہنے لگیں۔

"دلہن! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اپنی ضد پر اس معصوم کو قربان کردیا۔ بڑا گناہ کمایا ہے۔"

پھپھو تیز ہوکر بولیں۔ "آپ کی آرزو پوری کی ہے۔ سوکن لائی ہوں' خود اپنے آپ سے ہے کسی عورت کا اتنا کلیجہ۔ اب بھی آپ کو چین نہیں۔ ظلم تو میں نے اپنے اوپر کیا ہے۔ مجھ سے ہمدردی ہونی چاہئے آپ کو۔"

کہہ کر زور زور سے رونے لگیں۔ پھر دھڑام سے کرسی پر گریں۔ ان کی آواز بند ہوگئی۔ اماں جی نے گھبرا کر کہا۔

"اے ہے۔ کوئی دیکھیے کیا ہوگیا دلہن کو۔"

وہاں تو میں ہی موجود تھی۔ میں نے ہی پھپھو کو اٹھ کر دیکھا۔ ہلایا جلایا پانی پلانا چاہا جو سب ان کے ریشمی بلاؤز پر گرگیا۔ گھر میں کوئی ذی نفس نہ تھا۔ میں نے دروازے پر کھڑے ہوکر انکل کو ہی پکارا۔

"انکل! انکل! عارف انکل! جلدی آئیں پھپھو بے ہوش ہوگئی ہیں۔"

اور وہ بوتل کے جن کی طرح نہ جانے کس کونے سے برآمد ہوئے۔ اور نظر بچائے تیزی سے پھپھو کی طرف بڑھے۔ وہ انہیں تھپک رہے تھے۔ ان کے گال سہلا رہے تھے۔ بازو ہلا رہے تھے۔ پکار رہے تھے۔ ان کی آواز میں بے چارگی تھی۔ پیار تھا' تسلی تھی۔ پھپھو نے آنکھ کھولی۔ پھر چمکوں پھپکوں روتے ہوئے انکل کی گردن میں اپنا بازو ڈال دیا۔

"عارف! وعدہ کرو مجھے کبھی خود سے جدا نہیں کروگے۔ عارف وعدہ کرو ہمیشہ میرے رہوگے۔ دیکھو' اماں جی کہتی ہیں میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ ذرا انصاف کرو کیا میں نے خود پر ظلم نہیں کیا؟ اپنے ہاتھوں اپنا سہاگ دوسری پر....."

چیخنے چلانے لگیں۔ دھائیں دھائیں رونے لگیں۔ ہائے کتنی دکھی ہیں بے چاری۔ مجھے ترس آرہا تھا۔ میں ان کے پاس کرسی کے ہتھے پر جاکر بیٹھ گئی۔

UrduPhoto.com
Harfe Dua @ OneUrdu.com Scanned By Harfe Dua for OneUrdu.com

انہیں سہلانے لگی۔
"ہٹو یہاں سے۔ مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔"
انہوں نے مجھے دھکا دیا۔ میں زمین پر جا گری۔ انکل نے نظر چرالی۔ پھپھو سے کہا۔ "چلو اٹھو اب۔ کمرے میں چلو۔"
"کون سے کمرے میں؟" نقاہت زدہ آواز میں پھپھو نے کسی امید پر پوچھا۔
"اپنے کمرے میں اور کس کمرے میں جانا چاہتی ہو تم؟" وہ جھلائے ہوئے تھے۔
"اچھا مجھے سہارا دیں۔" وہ باقاعدہ کراہنے لگیں۔ ان کے جانے کے بعد میں زمین سے اٹھی تو اماں جی نے مجھے پکار لیا۔
"آؤ بیٹی! میرے پاس آؤ۔" میں ان کے پاس بیٹھی تو وہ مجھے پیار کرنے لگیں۔
"بیٹا! ظلم ہوا ہے تم پر اور میں کچھ نہ کر سکی۔ کیا کرتی میرا بیٹا بہت انکار کرتا رہا۔ مگر تمہاری پھپھو' پنکھے سے لٹک گئی۔ بجلی میں ہاتھ دینے کو مچلنے لگی۔ بڑے ڈرامے ہوئے تب وہ مجبور ہو گیا اور یہ سب کچھ سلمان' کامران کے جاتے ہی شروع ہوا۔ سلمان ہوتا تو بھائی کی حمایت میں بولتا۔ ادھر تمہارا بھائی بھی..... آیا نہیں اور یہاں یہ تماشے... پتا نہیں تمہارے ماں باپ کو کیسے راضی کر لیا۔"
میں کیا بولتی۔ آنسو بھی تو خشک تھے کہ وہی میری ولی کیفیت آشکارا کرتے۔ چپ بیٹھی زمین دیکھتی رہی میں نے جو سنہری چپلیں پہنی ہوئی تھیں وہ انگوٹھے میں چبھ رہی تھیں۔ پھپھو کی پسند۔ میرے نکاح کا جوڑا بھی خاکستری رنگ کا تھا جس کے کنارے پر گلابی پٹی تھی۔ گولڈن ہلکا سا کام تھا اس پر۔ انہوں نے کسی اعتراض پر کہہ دیا تھا کہ "میرے میاں کی دوسری شادی ہے اس لئے وہ کسی چونچلے کے حق میں نہیں اور گہرے رنگ انہیں پسند نہیں۔"
کسی نے پھر کہا۔ "تمہارے میاں کی دوسری شادی ہے مگر صبی کی تو پہلی ہے۔ تم خود تو اتنے شوخ رنگ پہنے ہوئے ہو تمہارے لئے ان کی پسند کچھ اور ہے کیا؟"
میں سوچوں میں گم تھی کہ انکل اندر آئے۔ سر کھجلاتے ہوئے کہنے لگے۔
"وہ ایسا ہے کہ..... صائمہ کی طبیعت بہت خراب ہے۔ بلڈ پریشر ہائی ہے۔ وہ صبی کو بلا رہی ہیں۔"
کہہ کر چلے گئے۔ اماں جی نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "جاؤ بیٹا کپڑے بدل لو۔"
پھر بیٹے کو پکار کر کہا۔ "عارف میرے پاس آ کر بیٹھو ذرا۔"
گھر تو دیکھا بھالا تھا۔ میں پھپھو کے کمرے میں آ گئی۔ بستر پر بے سدھ پڑی تھیں۔ لباس تبدیل کر کے قدموں کی چاپ سن کر اشارے سے مجھے پاس بلایا۔
"صبی' میرے سر' پیر' کمر ہر جگہ شدید درد ہے۔ بیٹھو دباؤ۔"
میں نے حکم کی تعمیل کی۔ گھنٹہ بھر بعد انہیں سوتا چھوڑ کر اٹھی تو بولیں۔
"کہاں چلیں؟" میں نے کپڑے بدلنے کی بات کی تو انہوں نے اشارے سے میرے کپڑوں کے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کر دیا۔ کپڑے بدل کر پھر ان کی خدمت میں لگ گئی۔ پوری رات میں اور پھپھو جاگتے رہے۔ میں دباتی رہی انہیں' وہ دلواتی رہیں۔ نیند سے برا حال۔
فجر کی اذان ہوئی تو نماز کی اجازت چاہی جو مل گئی۔ دادی کس قدر تاکید کرتی تھیں نماز کی اور میں..... فجر کی نماز صرف رمضان شریف میں ہی پڑھ پاتی۔ دکھتے سر اور جلتی آنکھوں سے نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو ٹانگیں بھی کپکپا رہی تھیں۔ نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہیں جانماز پر لڑھک گئی اور پھر ہوش نہ رہا۔ خاصی روشنی پھیلی تب آنکھیں کھلیں۔ پھپھو پلنگ پر دراز تھیں ایک ملازمہ ان کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھی تو پھپھو نے کہا۔
"اٹھ گئیں۔ چلو جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ بنا کر لاؤ۔"

انداز خاصا تحکمانہ تھا مگر میں جو منڈی منڈی آنکھوں سے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔ آنکھیں اس حکم کے ساتھ ہی پوری کھل گئیں۔
ہیں! میں ناشتا بناؤں؟ مجھے کیا پتا ناشتے کا۔
"اب اٹھ جاؤ۔ بھوک لگی ہے۔ ساڑھے گیارہ ہو گئے ہیں۔"
انہوں نے جتایا کہ میں اتنی دیر تک سوتی رہی۔ میں اپنے حساب سے تو اچھل کر کھڑی ہوئی تھی مگر کمر اکڑ کر تختہ ہو چکی تھی۔ دھپ سے گری۔ منہ سے ہائے نکل گیا۔
"بس نخرے نہ دکھاؤ۔ اٹھ جاؤ۔" پھر ماسی سے مخاطب ہوئیں۔ "بھتیجی ہے میری۔ رات ہی بیاہ کر لائی ہوں۔ میرے ساتھ سہاگ رات منائی ہے اس نے۔" قہقہہ لگایا تھا۔ ماسی بھی کھلکھلا کر ہنسی۔ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں آتا۔
"جلدی سے اٹھو۔ نماز کا بہانہ کر کے آرام سے جاسوئیں۔" پھپھو سخت لہجے میں بولیں۔ "وہ بڑی بی بھی بھوکی بیٹھی ہوں گی۔ ان سے بھی پوچھ لو۔ ساری رات جاگتے گزری ہے میری۔ اف... تھکن ہو گئی۔ تکان بہت مشکل چیز ہے۔ اب مجھے رات کے چوکیداروں کی مشقت کا اندازہ ہوا۔"
"آپ سو جاتیں پھپھو۔" میں نے کہا۔
"ایسے ہی سو جاتی۔ مجھے پتا تھا کہ تو کہیں "وہاں" نہ چلی جائے۔"
"وہاں" کا لفظ کھینچ کر ابرو کے اشارے کے ساتھ ادا کیا۔ "ناشتہ کر کے سوؤں گی میں۔ جگانا مت۔ میری نیند پوری ہو گی تب ہی اٹھوں گی۔"
میں جاء نماز رکھ کر باہر آئی تب بھی ماسی ان کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔ توبہ جیسے میلوں کا سفر کر کے آئی ہو۔ اماں جی نے مجھے پیار کیا۔ ہائے کتنی اچھی نیک اور مہربان ہیں اماں جی۔
"بیٹا! اتنی تھکی تھکی کیوں ہو؟ کیا سوئیں نہیں رات؟ صائمہ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"
"پھپھو کے جسم میں درد تھا تو میں دباتی رہی۔ صبح کو تھوڑی دیر سوئی۔" میں بھی مظلوم بن گئی۔
"بیٹا! میں تمہاری مدد تو کر نہیں سکتی۔ جاؤ دیکھو' کچن میں کچھ ہو تو ناشتہ بنا لو۔ مجھے تو عارف نے دے دیا تھا ناشتا۔"
جب میں انڈا تل رہی تھی تو بھل بھل آنسو میری آنکھوں سے انڈے آ رہے تھے۔ پھپھو نے بتایا کہ امی کا فون آیا تھا وہ مجھے لینے آنا چاہ رہے تھے۔ پھپھو نے منع کر دیا۔
"پرسوں میں خود لے کر آؤں گی۔ آج تو لوگ آ رہے ہیں ناں مبارک بادی کو۔"
وہ خباثت سے مسکرائیں۔ اللہ پھپھو کتنا بدل گئی ہیں۔ وہ جو مجھے پکا کر کھلایا کرتی تھیں آج مجھ سے فرمائش پر فرمائش۔
"میں تو اب سونے جا رہی ہوں۔ کھانا بنا لینا۔ ماسی بتا دے گی۔ میں خود اٹھ جاؤں گی۔" انہوں نے پلنگ پر لیٹ کر ٹانگیں پسار لیں۔ آنکھ بند کر لیں۔ کھانا! اور میں؟
پھپھو خوب جانتی ہیں مجھے کچھ بھی پکانا نہیں آتا۔ میں امی کی مدد ضرور کرتی تھی۔ وہ بھی انڈا تلنے یا توس سینک لینے تک یا پھر سلاد بنانے' چٹنی پیس لی' دال بگھار لیتی تھی اور بس۔ یہیں میری مہارت کی ترکی تمام ہو جاتی۔
اماں جی کے پاس بیٹھ کر میں رونے لگی۔ انہوں نے پوچھا تو میں نے اپنی قابلیت اور پھپھو کی فرمائش بتا دی۔ وہ افسردگی سے مسکرائیں۔
"ان کا یہی طریقہ ہے۔ صبح ہی کہیں چل دیتی تھیں میرے اوپر سب کچھ چھوڑ کر۔ میں تو خود بیمار کبھی طبیعت ٹھیک ہوتی تو الٹا سیدھا پکا لیتی ورنہ اللہ میرے بچوں کو اچھا رکھے۔ سلمان' کامران ہی کالج سے آ کر میرے لئے بھی کچھ بنا دیتے۔ چلو ماسی کو بلاؤ میں اسے بتاتی ہوں۔"
ماسی نے جو کچھ پکایا وہ ہم دونوں نے کھا لیا۔ اماں جی نے کہا۔
"بیٹا! تم اپنی امی کو فون کر لو۔"

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

"فون تو کمرے میں ہے اور پھپھو سو رہی ہیں دروازہ لاک کر کے۔" میں نے بتایا۔

وہ پھر رنجیدہ ہو گئیں۔ شام کو نک سک سے درست نیا خوش رنگ لباس پہنے پھپھو صاحبہ برآمد ہوئیں۔

"کھانا پکا لیا تھا؟" آتے ہی مجھ سے پوچھا۔ میں سر جھکانے کے سوا کیا کرتی۔

"دلہن! کچھ انصاف کرو۔ ابھی پہلے دن سے ہی تم نے اسے کام پر لگا دیا۔" اماں جی نے بہو صاحبہ کی کلاس لی۔ "اس بچی کو پیاز کاٹنی نہ آتی ہوگی' تم کیا اسے گھر کے کاموں کے لئے لائی ہو۔"

"سیکھ لے گی۔ کرنے سے آتا ہے۔"

انہوں نے آخری سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ اور مکتی ہوئی باہر چل دیں۔ انکل آئے تو چائے انہیں دے کر خود پی کر کمرے میں بند ہو گئیں پھر شام کو دونوں کہیں چل دیئے۔ ارے ساس کا خیال نہ میری پروا۔ اب اماں جی کو شام کے کھانے کی فکر ہو گئی۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تم اپنی امی سے کہو وہ آ کر تمہیں لے جائیں۔" مشورہ بے حد مناسب تھا۔ مگر پھپھو کمرہ لاک کر گئی تھیں میں واپس آ گئی اور مجھے رونا آنے لگا۔ امی یاد آ رہی تھیں۔

"بیٹا! تم چائے تو بنا لو۔ دیکھنا بسکٹ' نمکو وغیرہ بھی ہو گا۔"

اماں جی نے بروقت مدد کی ورنہ میں رونے کا لمبا پروگرام بنا رہی تھی۔ چائے کے ساتھ توس مکھن وغیرہ لا کر خوب کھایا۔ پیٹ بھرا تو ذہن سے مایوسی کے خیالات دور ہوئے۔ اونہہ مجھے کیا پھپھو جانیں ان کا گھر' ساس اور شوہر۔ میں تو اماں جی کے بیڈ پر لیٹ کر سو گئی۔ ہوتا رہے جو ہوتا ہے اور جناب آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔

"اٹھو بیٹا! نماز پڑھ لو۔ اور اپنے لئے جو بھی مانگنا ہے اسی باری تعالیٰ سے مانگو جو سب کی مرادیں پوری کرتا ہے۔ وہ بہت سخی ہے۔"

اماں جی کے شفیق ہاتھ میرا ماتھا سہلا رہے تھے۔ کس قدر اپنائیت تھی ان کے لمس میں۔ نیند بھی پوری ہو چکی تھی۔ نماز پڑھ کر سوچنے لگی کیا مانگوں۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ پھر سلمان کا خیال آ گیا۔ ان ہی کے لئے دعا مانگ لی۔ "اے اللہ سلمان کی ہر مراد پوری کرنا۔"

پھپھو بہت خفا۔ مزاج برہم' رات آرام سے سو گئی۔ یہی چیز ان کو کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ شکر ہے کہ ابی آ گئے۔ بغیر فون کئے آئے تھے اس لئے پھپھو کو بہانہ ہی نہ ملا۔ میں ان کے ساتھ گھر آ گئی۔ امی کا برا حال تھا۔ ابی بھی افسردہ تھے۔ امی کے آنسو۔ اف میرے خدا۔ انہیں میرا اتنا خیال ہو گا کبھی سوچا نہ تھا۔ میں نے امی کو گلے لگا لیا۔ وہ بچوں کی طرح رونے لگیں۔ میں تسلی دیتی رہی۔

"کیا ہو گیا ہے امی آپ کو۔ میں کہیں دور تو نہیں گئی۔ آخر آپی بھی تو۔۔۔ امی پھپھو ہیں وہاں۔ کیوں فکر کر رہی ہیں۔"

"نہیں! مجھے اطمینان نہیں ہے۔ صائمہ کی چال ہے یہ۔ اسے تو مجھ سے شروع سے بیر تھا۔ میں ہی ہمیں کر ٹالتی تھی۔ اس نے آخر ڈنک مار دیا اور تمہارے باوا۔" ان کے آنسوؤں میں بہہ گئے۔

میں نے انہیں بہت سمجھایا۔ خوشی کا تاثر دیا' مگر دادی کے سامنے ایک نہ چلی۔ میں نے انہیں ایک ایک بات بتا دی۔ دادی حیرت سے دم بخود' شام کو پھپھو مجھے لینے آ گئیں۔ تاثر یہ دیا کہ میرے بغیر ان کو ایک منٹ چین نہیں آتا۔ پہلی بار وہ مجھے بری لگیں۔ خونخوار ڈائن۔ دادی نے مجھے روکنا چاہا مگر پھپھو اڑ گئیں۔ امی کچھ نہیں بولیں۔ ابی نے بھی مجھے رکنے کا کہا۔ لیکن پھپھو۔ میں منہ پھلائے ان کے ساتھ آ گئی۔

راستے میں انکل (سابقہ) نے کہا بھی کہ "بھائی جان اتنا کہہ رہے تھے۔ رہنے دیتیں۔"

"آپ میرے معاملے میں نہ بولا کریں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا بھول گئے کیا؟"

پھپھو بگڑ گئیں اور گھر آ کر غصہ مجھ پر اتارا کہ میں معصوم شکل بنا کر ان کے میاں کو ان سے چھین لینا چاہتی ہوں۔ جو وہ کبھی ہونے نہیں دیں گی۔

میں بھلا کیا جواب دیتی۔ مجھے تو وہ خود اتنے برے لگ رہے تھے' جورو کے غلام۔ رکھیں اپنے میاں کو اپنے پاس۔ میں اماں جی کے پاس آ گئی۔ پھپھو نے انکشاف کیا کہ وہ ابی سے کہہ آئی ہیں۔ عارف اور صبی کینیڈا جا رہے ہیں پندرہ دن کے لئے۔ یہ مجھے گھر پر روکے رکھنے کا بہانہ تھا ورنہ کہیں جانے وانے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بھائی ابھی تک نہیں آئے تھے۔ ان کا فون گھر پر آیا تھا۔ ظاہر ہے ان سے پہنچنے کا اور چمن میں نو رنا منٹ ہو گا اور وہاں سے فون کرنا مشکل ہو گا۔

آپی کا فون بھی آیا تھا۔ پھپھو نے گھورتے ہوئے ریسیور مجھے دیا۔ وہ خوب خفا ہو رہی تھیں مجھے ڈانٹ رہی تھیں کہ میں نے انکار کیوں نہ کر دیا۔ میں چپ چاپ سنتی رہی۔ ہوں ہاں کرتی رہی۔ پھپھو سامنے بیٹھی تھیں۔ میں نے بس بچوں کا پوچھا۔ دولہا بھائی کو سلام کہا۔ تسلی کر لی انکل آ گئے تو پھپھو کو کچھ سوالات کی فرصت نہ ملی۔

پندرہ دن میں پھپھو نے مجھے تگنی کا ناچ نچایا۔ ہر دم کروایا۔ میں نے کب کھانا پکایا تھا۔ مگر پکانا پڑا۔ بلکہ پھپھو نے پکوایا۔ کبھی کوئی خرابی ہوئی تو آگ بگولا ہو کر کوسنے لگتیں۔ ہاتھا پھائی پر اتر آتیں۔ کبھی عارف صاحب ان سے کہتے

"صائمہ! اپنا غصہ مجھ پر اتار لیا کرو اس بے چاری کو کیوں تختہ مشق بنا رہی ہو۔"

وہ ان کی ذرا سی ہمدردی پر آپے سے باہر ہو جاتیں۔ ناجانے کیا کیا بھلا کہتیں۔ جن کے لاڈ نے مجھے نکما' ناکارہ بنا دیا تھا۔ میں حیران ہوتی کہ آخر مجھ سے ان کو کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ کیوں میرے ساتھ ایسا کر رہی ہیں۔ مجھے روز لباس بدلنے کی اجازت نہ تھی۔ اماں جی کے کمرے کے علاوہ کسی کمرے میں جھانکنے کی اجازت نہ تھی۔ صفائی والی بھگا دی' ماسی تھی مگر وہ پھپھو کے کاموں کے لئے وقف تھی۔ مجھے اتنے کپڑے' کتنے بھی کام کی عادت نہ تھی۔ یہاں تو بس کام' کام رات کو تھک تھکا کر بستر پر گرتی اماں جی پیار کرتیں' تسلی دیتیں۔

"بیٹا! ہمت نہ ہارنا۔ ہر رات کے بعد صبح ہوتی ہے۔ ہر صبح سورج چمکتا ہے۔ تمہارے نصیب کا ستارہ بھی سورج کی طرح چمکے گا۔"

دُنیا کی بہترین کہانیاں
عمران ڈائجسٹ
شائع ہو گیا ہے'
دُنیا بھر سے
منتخب و دلچسپ
کہانیاں
پیش کرتا ہے
دلکش تحریروں کا مجموعہ
تھکے ذہنوں کا سامان
ہر ماہ کی
۲۵ تاریخ
کو شائع ہوتا ہے
عمران ڈائجسٹ
اردو بازار • کراچی

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com Scanned By HarfeDua @ OneUrdu.com

ان کے الفاظ مجھے حوصلہ دیتے۔ امی سے ملنے کے لئے مہینہ بھر بعد جا سکی۔ وہاں تو یہی تاثر دینا پڑا کہ میں بہت مطمئن ہوں۔ خوشیوں سے مالا مال ہوں۔ پھپھو ساتھ تھیں ان کے زیر ہدایت ڈرامہ کرنا تھا۔ وہ واپسی میں ساتھ لے کر آئیں۔ میرے بغیر رہ نہیں سکتی تھیں۔

ابی دورے پر گئے ہوئے تھے۔ وہ آئے تو مجھے لینے آ گئے۔ دو تین دن رہی۔ پھپھو لینے آئیں تو سن گن لیتی پھریں کہ میں نے کسی سے کچھ کہہ تو نہیں دیا مگر میں نے سوچ لیا تھا کہ اماں جی کی نصیحت پر عمل کروں گی۔ وہ کہتی تھیں "صبر اور برداشت، تحمل اور حوصلہ یہ ایسی نعمت خداوندی ہے جو زندگی کے مقصد کو روشن کرنے کے سامان کرتی ہے۔ بس اللہ سے رحم مانگنا چاہئے۔"

اور میں ہر وقت رحم مانگتی تھی۔ پھپھو نے مجھے صابر دیکھ کر سختی اور بڑھا دی۔ ہر وقت جاسوسی کہ میں ان کے میاں سے بات تو نہیں کر رہی یا وہ میری طرف متوجہ تو نہیں۔ میں ان کے معصوم شوہر کو ہتھیا نہ لوں کہیں۔ پار نہ کر لوں۔ ہر وقت چوکنا رہتیں۔ مجھے کیا ضرورت تھی۔ دن بھر تھکا دینے والے کاموں سے نجات ہی نہ تھی۔ پھر اماں جی کی خدمت ان کا ہر کام میرے ذمے تھا۔ کپڑے بدلوانے، نہلانا، بستر درست کرنا، کنگھا کرنا، دواؤں کے ٹائم کا خیال رکھنا۔ پھپھو کے کپڑے میں سیوں، ان کی کمر، ہاتھ پیر دباؤں اس کے باوجود خوش نہ ہوتیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

جس دن سلمان، کامران آئے میں پھپھو کے کپڑے سی رہی تھی۔ دونوں بھائی مجھے اپنے گھر میں دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے۔ سلمان کی آنکھیں وفور شوق سے جگمگا گئیں۔ بیگ زمین پر ڈال کر میرے پاس آ بیٹھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں سیدھا گھر آؤں گا۔ ہم نے تو کسی کو خبر بھی نہیں دی تھی۔ کامران کہہ رہا تھا فراز کے ساتھ وہیں چلتے ہیں۔ صبوحی کا شکریہ ادا کرنے۔ بڑے دل سے دعا کی تھی کہ ہم ٹورنامنٹ جیت گئے۔ واہ بھئی مان گئے۔ آپ ولی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقرب بندی اور بے حد مخلص بھی ہیں۔"

وہ بولے جا رہے تھے میں زناٹن سیئے جا رہی تھی۔ پھپھو آواز سن کر باہر نکلیں۔

"سل گیا میرا سوٹ؟ سلے گا کیا خاک۔ باتوں سے فرصت ہو تو دل لگے۔ اچھا سلمان آ گئے۔ چل اٹھ چھوکری چائے بنا لا۔ ماں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ چائے پانی کا پوچھا جاتا ہے۔ تمیز کا تو ذکر ہی نہیں۔"

یہ پھپھو کے الفاظ میرے دل کو کاٹ رہے تھے۔ میں کپڑے سمیٹ کر اٹھی تو سلمان نے گھبرا کر کہا۔

"ارے نہیں بھابھی! میں کوئی مہمان تو نہیں ہوں۔ رہنے دیں۔ میں خود بنا لیتا ہوں۔ ان کو کیوں زحمت دیتی ہیں۔"

وہ کچھ حیران سے اٹھ کر اماں جی کے کمرے میں چلے گئے۔ پھپھو نے کڑے تیوروں سے میری طرف دیکھا۔

"سلمان سے زیادہ بے تکلفی کی ضرورت نہیں ہے سمجھی۔ بات بھی کی تو ہڈیاں توڑ کر رکھ دوں گی۔"

وہ میرے پاس تخت پر ہی بیٹھ گئیں اور پیر ہلا ہلا کر ہنسنے لگیں۔

"اب آئے گا مزا۔ جب وہ طرم باز خان نے گا کہ میں تجھے اپنی خدمت گار بنا کر لے آئی ہوں۔ تو کیا ہی بوٹیاں نوچے گا۔ بڑا لیا رے تاں بمن سے۔ واہ۔"

وہ قلقاری مار کر ہنسیں۔ اور مجھے لگا جیسے کسی نے میرا دل مٹھی میں لے کر مسل دیا ہو۔ پہلی بار مجھے دل پر برف جمنے کا احساس ہو رہا تھا۔ فراز بھائی۔ انہوں نے آتے ہی مجھے پوچھا ہوگا۔ اور ... ان کا دل بھی برفانی طوفان کی زد میں آ گیا ہوگا۔ میں اب ان سے کیسے ملوں گی۔ کیا کہوں گی۔

پھپھو قہقہے لگا رہی تھیں اور میرا دل ٹکڑوں میں بٹ رہا تھا۔ میں کچن میں کھڑی تھی۔ چائے بنا رہی تھی کہ سلمان آندھی کی طرح اندر داخل ہوئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"میں نے کیا کہا تھا تم سے؟ بولو۔ بے صبری۔ تم سے ذرا صبر نہ ہوا۔ انتظار کیسا، میرے جاتے ہی شادی رچا لی۔ وہ بھی میرے بھائی کے ساتھ۔ بول نہیں سکتی تھیں تم۔ بتا نہیں سکتی تھیں کسی کو۔"

وہ غصے میں کانپ رہے تھے (صدمہ بھی ہوگا) میرا دل بھی زور زور سے رونے کو چاہنے لگا۔ لیکن آنسو روک کر آواز دبا کر، قابو کر لیا خود کو۔ چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھائی جو انہوں نے ہاتھ مار کر گرا دی۔ پیالی ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئی چائے کے داغ میرے کپڑوں پر آ گئے۔ پیالی گرنے کی آواز پر پھپھو آ گئیں۔ آتے ہی دھموکے برسانے لگیں۔

"کمبخت، منحوس، ہاتھوں میں دم نہیں ہے۔ یا ٹوٹے ہوئے ہیں۔ تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ میرا صبر تجھ پر پڑے۔ سارے برتن توڑے گی کیا۔"

اور دھکا دے کر گرا دیا۔ میں پیالی کی ٹوٹی کرچیوں پر گری۔ کچن کے باہر کامران تولیہ کندھے پر ڈالے حیرت سے دم بخود مار دھاڑ سے بھرپور سین دیکھ رہا تھا۔ حیرت انگیز نظارا۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھر تو یہ سین روز ہی دہرایا جانے لگا۔ اس دن میں اماں جی کے پیروں میں زیتون کے تیل کی مالش کر رہی تھی۔ اماں جی کا خیال تھا کہ جب سے میں نے ان کے پیروں میں زیتون کے تیل کی مالش شروع کی ہے ان کے پیروں کا درد بھی جاتا رہا تھا اور ٹانگوں میں طاقت بھی آتی جا رہی تھی۔

سلمان نے اندر آ کر نہ جانے اماں سے کیا مانگا۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔

"بیٹی! الماری میں نیلے رنگ کا ڈبہ رکھا ہے۔ ذرا نکال لانا۔"

سلمان نے ضدی لہجے میں کہا۔ "ضرورت نہیں ہے میں خود نکال لوں گا۔"

میں کھڑی ہو چکی تھی انہوں نے صریحاً "کہنی ماری دھکا دیا۔ میں پلنگ پر لڑھک گئی۔

"یہ یہاں کب تک قیام پذیر ہیں۔ ان سے کہئے اپنا الگ ٹھکانا بنائیں، ہم وقت بے وقت آ بھی نہیں سکتے آپ کے پاس کہ بھئی محترمہ لیٹی ہیں۔ محترمہ سو رہی ہیں، اول تو مجھے ان کی موجودگی سے ہی چڑ ہے۔"

اماں جی نے سلمان کو گھورنے کی کوشش کی مگر وہ الماری میں ڈبے کی تلاش میں مصروف ہر چیز تلپٹ کر رہے تھے۔ ڈبہ لے کر پلٹے تب بھی چہرے پر شدید ناگواری کے آثار۔ ڈبہ پلنگ پر پٹخ کر پھر بولے۔

"آخر ان کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ کب تک یہاں دھرنا دیئے رہیں گی۔ آج میں بھائی جان سے بات کرتا ہوں۔ جائیے مجھے بٹن نکال کر دیجئے۔"

"کوئی ضرورت نہیں الٹا سیدھا ہانکنے کی۔ یہ سب تمہاری بھابھی کی کارستانی ہے۔ خود سب میں اچھا بن گئیں۔ اس بے چاری کو لا کر پھینک دیا۔ فیس لادو میں بٹن ٹنکوا دیتی ہوں۔"

"ہاں۔ بے چاری۔" سلمان مضحکہ اڑانے کے انداز میں تھے۔ "اور ان کے والدین کو کیا نظر آیا؟ دولت، صرف دولت؟ ہونہہ چار دن میں دولت جمع کر سکتا ہوں میں بھی۔ بٹن دیں میں ٹانک لوں گا خود اور ہاں آج کے بعد ان کو یہاں نہ دیکھوں۔"

دھم دھم کرتے بٹن لے کر باہر نکل گئے۔ میں کونے میں کھڑی تھی۔ مجھ پر گرم نظر کا انگارا اچھالا۔ میرا سارا وجود ان دیکھی آگ میں جھلسنے لگا۔ میں بھلا خوشی سے یہاں موجود ہوں مگر جاؤں کہاں۔ میرا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔

سلمان، کامران کے آنے کے بعد پھپھو کو مجھ سے دشمنی بڑھ گئی۔ ان دونوں کے سامنے مجھے ہر دم سخت سست کہنا، میری خامیوں کو اچھالنا، ذلیل کرنا، حقیر سمجھنا گویا فرض بنا لیا۔ ان دونوں کی موجودگی میں مجھے سامنے آنے کا موقع نہ دیتیں۔ کچن میں ہی مصروف رکھتیں ساتھ ساتھ فضیحتوں کے الاپ نشر کرتی رہتیں۔

عارف صاحب کے آتے ہی مجھے چائے کا آرڈر دے کر کمرے میں گھس جاتیں۔ میں چائے لے جاتی مگر نظر اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک بار غلطی کی

UrduPhoto.com
HarfeDua@OneUrdu.com
Scanned By HarfeDua@OneUrdu.com

تھی تو پھپھو میری آنکھیں نکالنے کے درپے ہو گئیں۔ ایک روز عارف صاحب نے کہہ دیا۔

"صائمہ! کیا تم اسے نوکرانی بنا کر لائی ہو؟"

وہ تنک کر بولیں۔ "میں تو اسے تمہاری دلہن بنا کر لائی تھی۔ تمہیں اس کی صورت سے گھن آتی ہے تو میں کیا کروں۔ اس کا فرض ہے' تمہاری خدمت کرے۔"

"اور تمہارا کوئی فرض نہیں؟"

"میں اپنے فرائض سے آگاہ ہوں۔" وہ چڑ گئیں۔ "ٹریننگ دے رہی ہوں اسے۔ آئندہ زندگی میں کام آئے۔ ماں نے تو کچھ سکھایا نہیں۔ لاڈوں میں بگاڑا ہوا تھا۔ تنکا چھونے نہ دیا کبھی۔ نواب زادی بنایا ہوا تھا۔ اس قدر پھوہڑ ہے....."

"اور تم نے گھر کا بوجھ اس پر ڈال دیا۔" وہ مسلسل میری حمایت کر رہے تھے۔

"ہاں اس لئے کہ یہ بھول جائے ماں باپ کے لاڈ' چھوڑ دے نکما پن اور میرے گھر کی خدمت کے لئے وقف کر دے خود کو۔ کھڑی باتیں سن رہی ہے۔ جا تجھے کوئی کام نہیں؟ دفع ہو۔"

باہر نکلتے ہوئے میں نے عارف صاحب کی آواز سنی۔ "صائمہ! صائمہ! زبان کو قابو میں رکھو۔ بہت سختی کرنے لگی ہو۔ کچھ رشتے کا لحاظ کر لو۔"

"نفرت ہے مجھے اس کی شکل سے اور سن لیں آپ۔ رشتہ تو بس ایک ہی رہ گیا ہے اس سے۔ یہ میری سوکن ہے سوکن' اور کوئی عورت سوکن سے پیار نہیں کرتی۔"

پھپھو کی آواز بند دروازے سے باہر تک آ رہی تھی۔ جہاں سلمان برآمدے میں استری کرتے ہوئے سن رہے تھے اور گردن موڑے حیرت و تاسف سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں سست قدم اٹھاتی صحن میں آ گئی۔ پھپھو اب بھی کچھ نہ کچھ بول رہی تھیں۔ واقعی وہ ہر رشتہ بھلا چکی تھیں اور میں نا سمجھی کے دور میں انہیں اپنا خیر خواہ سمجھتی رہی۔ ابی کے فیصلے کا مان رکھنا تھا۔ انہوں نے پھپھو کی آواز پر میری قربانی دی تھی۔ ابی نے تو رشتے داری کا بھرم رکھا۔ فرض کا کفارہ دے کر بیٹی کو جلتی آگ میں جھونک دیا۔ اور بیٹی..... باپ کو پچھتانے کے عمل سے بچانے کے لئے ہر روز شعلوں میں نہاتی رہی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس روز کچھ رشتے دار خواتین کے سامنے پھپھو رو رو کر اپنی وفا اور ایثار و قربانی کے بیان داغ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے جذبات پر جبر کر کے ساس کی خواہش کو پورا کیا تھا۔ میں خاطر داری کے لئے ان خواتین کے سامنے گئی تو پھپھو دوپٹہ آنکھوں پر ڈالے چھکوں پھپھوں رو رہی تھیں۔ خواتین مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ اس روز ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ہر بار جب بھی لوگ آتے پھپھو انہیں مجبوریوں کی داستان سنا کر آنسو بہاتیں' ہمدردی حاصل کرتیں اور پھر رات کو ان کی تیمارداری کے لئے میری ڈیوٹی لگ جاتی۔

عارف صاحب ٹہلتے ٹہلتے ڈرائنگ روم میں بستر جما لیتے۔ پھپھو کے سرہانے بیٹھے سر دبا رہے ہوتے۔ پھپھو کی سسکیاں اور آہیں میرے وجود کو جلاتی رہتیں۔ اب میں تھکنے لگی تھی۔ کب ہو گی اس رات کی سحر۔ اس ذلت سے نجات کب ملے گی۔ میں کس کے لئے قربانی دیئے جا رہی ہوں۔ احتجاج نہیں کرتی کہ اپنی انا کا پاس ہے۔ باپ کے مان کا بھرم رکھنا ہے۔ مردوں کی روحوں سے کئے عہد کی پاسداری میرا فرض ہے۔

میکے سے ابی کے سوا کوئی آتا نہ تھا۔ ابی کے سامنے تو پھپھو میرے عشق میں مبتلا رہتیں۔ ان کے جاتے ہی اس عشق کے تازیانے میرے وجود پر چسپاں ہوتے۔ کبھی کبھی پھپھو مجھے ساتھ لے کر میکے جاتیں۔ ان کا بھی تو وہی میکہ تھا۔ مگر فراز بھائی جانے میرا سنتے ہی کہاں غائب ہو جاتے۔ پھپھو بھی اس امید پر جاتی تھیں کہ بھائی ملیں تو وہ ان کے سامنے اپنی سچائی کے ڈنکے بجائیں مگر ایسا موقع نہ آیا۔ عارف صاحب پر پھپھو نے جانے کیسا جادو کر دیا تھا کہ وہ اماں جی کو بھی اپنا مخالف سمجھنے لگے۔

اماں جی کہتی تھیں۔ "عارف تو ایسا نہ تھا۔ آخر جورو کا غلام کیوں بن گیا ہے۔"

"بس اماں! میں صائمہ کے سامنے مجبور ہو جاتا ہوں۔ وہ بالکل پاگل ہو جاتی ہے۔"

"وہ پاگل پن میں ایک دن تم سے کہے گی کہ کنویں میں کود جاؤ تو تم مان لو گے۔"

"کود چکا ہوں اماں۔ اب اور کیا ہو گا۔" وہ بہت پریشان تھے۔

"بیٹا! پھر اس بچی کا کیا قصور ہے۔ اسے کس خطا کی سزا دے رہے ہو تم دونوں۔ میری مانو اسے اس کے ماں باپ کے گھر پہنچا دو۔ صائمہ اسے جینے نہیں دے گی اور تم....."

عارف صاحب اٹھ کر باہر نکل گئے۔ کھوئے کھوئے سے رہنے لگے تھے بے چارے۔ شاید میری خاموش آہیں انہیں بے چین کرنے لگی تھیں یا پھپھو کا گلہ۔ ان سے خائف رہنے لگے تھے وہ۔

اس دن دونوں میاں بیوی میں زبردست جنگ ہوئی۔ پھپھو پوچھ رہی تھیں کہ وہ آج کل دیر سے گھر کیوں آتے ہیں' کہاں جاتے ہیں۔ پہلے تو گھر سے نکلنے میں آنا کانی کرتے تھے۔

"تم نے مجھے اس قابل کہاں چھوڑا ہے کہ میں گھر پر وقت گزاروں۔"

"کیوں! میں نے کیا کر دیا ہے؟"

"تم خوب جانتی ہو۔ تم نے مجھے مجرم بنا دیا ہے۔ مجھے اپنے ہی گھر میں اجنبی بنا دیا ہے۔ میں بلا وجہ معافی جرم کی سزا بھگتنے کے لئے مجبور ہو گیا ہوں۔ اماں' بھائی سب مجھے ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے میں مجرم ہوں۔ قابل ہوں۔ کوڑے لگتے ہیں میرے وجود پر ان کی نظروں کے۔ زخمی ہو چکا ہوں میں۔ تمہیں کیا ملا مجھے اس گناہ میں شریک کر کے۔ ایک معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کر دی تم نے اور عذاب میرے سر۔ بولو تمہیں کیا ملا۔ سلمان' کامران مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اس ڈرامے کا کیا مقصد ہے۔ میں تو نہیں جانتا کہ ڈرامے سے مجھے کیا حاصل ہوا۔ تم کو البتہ کوئی گوہر مقصود ملا ہو تو ملا ہو۔"

اتنی لمبی بات۔ عارف صاحب کے منہ سے سن کر پھپھو کے پتنگے لگ گئے۔ انہوں نے اس قدر شور مچایا۔ عارف صاحب پر اپنی محبت اور کامران' سلمان پر فضیحتوں کے ڈونگرے۔ اماں جی کو بھی نہیں بخشا۔ سب کو اپنا دشمن ثابت کر رہی تھیں اور میں' میں تو اس ڈرامے کی اصل کردار۔ مجھ کو تو ایسی بددعائیں۔ اور میں تو تھی ہی ان کی بددعاؤں کے حصار میں۔ مجھے نامراد زندگی گزارنے کی بددعا۔ میرے نصیب میں کیڑے پڑنے کی بددعا' کبھی سکھ نصیب نہ ہونے کی بددعا' میں نے ان کا جی جلا کر خاک کر دیا ہے۔ انہیں تڑپنے' رات رات بھر جاگنے کا عادی کر دیا ہے۔ اس لئے میں قابل گردن زدنی ٹھہری۔

وہ تو شکر ہے اس وقت کامران' سلمان گھر پر تھے تو انہوں نے ہاتھ استعمال نہیں کئے۔ زبان ہی سے حملے جاری رکھے۔ میں سہم کر اماں جی کے پاس آ گئی۔ پورا گھر ان کی فریادوں سے گونج رہا تھا۔ کامران سخت اشتعال کی کیفیت میں اماں جی کے پاس آیا۔

"آپ منع نہیں کر سکتیں اماں! شام کے وقت طوفان اٹھا رکھا ہے سارا محلہ سن رہا ہو گا۔ بھائی جان تو کہہ کر باہر نکل گئے ہم یہ بکواس سننے پر مجبور ہیں۔ اماں مجھے سخت کوفت ہو رہی ہے اور تم....." اچانک وہ میری طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "تم جواب نہیں دے سکتیں انہیں۔ زبان نہیں ہے منہ میں؟ کب تک تمہاری وجہ سے یہ تماشے ہوں گے۔ اجازت دو تو میں تمہاری طرف سے ان کو منہ توڑ جواب دوں۔ نحوست ان کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے اور تم....."

میں شرم سے پانی پانی دم بخود بیٹھی تھی۔ ہاں یہ تماشے میری ہی وجہ سے ہوتے تھے۔ میں ذلیل کی جاتی اور چپ رہتی۔

"چلیں میرے ساتھ۔ ابھی اٹھیں۔ انہیں وہی جواب دیں جو وہ آپ کو کہہ رہی ہیں۔ نامراد زندگی تو ہے ان کی پھر..... چلیں اٹھیں۔ ان سے پوچھیں کہ کیوں آپ کی زندگی کو تماشا بنایا ہے انہوں نے۔ کس

UrduPhoto.com
OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

جرم کی سزا دے رہی ہیں وہ آخر۔"

"بیٹا کامی! چپ رہو۔ اسے بھی دل کی بھڑاس نکالنی ہے' نکالنے دو۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"تو نکالیں بھائی جان پر' جن کی بزدلی نے یہ دن دکھایا ہے۔ ہمیں کیوں گھسیٹ رہی ہیں۔ آپ کو کیوں گھسیٹ رہی ہیں اس معاملے میں۔"

کامران غصے میں تھا اور اپنی جگہ درست بھی۔ کب تک سنتا وہ۔ کتنے خوش مزاج تھے تینوں بھائی۔ ایک میری وجہ سے سب کو چپ لگ گئی تھی۔ حالانکہ میرا بھی کیا قصور تھا۔ یہ تو امی کی سادگی' محبت اور مروت نے پھپھو کے کردار کو جانچا ہی نہیں اور مجھے قصوروار بنادیا۔

"کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ تو میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدا جو کچھ بھابھی نے کہا ہے سب ان ہی پر پڑے۔"

کامران کا یہ کہنا غضب ہوگیا۔ یہ وہ وقت تھا جب پھپھو خاموش ہوگئی تھیں اور کمرے سے باہر آگئی تھیں۔ انہوں نے سن لیا۔ کامران تو دل کی بھڑاس نکال کر اپنے کمرے میں جاگھسا۔

پھپھو کا عتاب مجھ پر گرنا لازمی تھا۔ مگر دو رچار تھپڑ ہی لگ سکے کہ سلمان سامنے آگئے۔ پھپھو چڑچڑ کرتی کمرے میں بند ہوگئیں۔ شاید وہ ان دونوں سے ڈرتی تھیں یا لحاظ تھا۔ گھر کا سکون برباد ہوگیا تھا۔ اب اکثر پھپھو عارف صاحب سے لڑتیں۔ وہ بے زار ہوجاتے اور اماں جی ان سے کہتیں۔

"عارف! اب تو سمجھ جانا چاہئے تم کو۔ صائمہ نے صرف دکھاوے کے لئے تمہاری شادی کی ہے۔ ارے اس بچی پر رحم کرو۔ اسے اس کے گھر روانہ کرو۔ کیوں اس کا صبر سمیٹتے ہو۔"

اور کبھی کہتیں کہ۔ "یہ عورت تمہارا گھر بسنے نہیں دے گی۔ نہ اولاد دے سکتی ہے نہ دوسری کو برداشت کرسکتی ہے۔ نہ کرتے تم شادی' مگر پھر صائمہ بی کی دادوا کیسے ہوتی۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اور اس دن جب کلو آئی وہ میرے سوچنے کا راستہ کھول گئی۔ یہ جاہل گنوار' اجڈ لڑکی خود فیصلہ کرنے پر قادر ہے۔ اسے پسند ناپسند کا ادراک ہے۔ وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ اپنا حق مانگ سکتی ہے۔ اپنی خوشی اپنی مرضی کی زندگی کا حق اور میں' میں ابی کے مردہ روحوں سے کئے عہد کی پابند ہوں۔ یہ بھی سچ ہے کہ کلو پر کوئی دباؤ نہیں۔ اسے ماں باپ کے وعدے کی پروا نہیں۔ باپ کی عزت کا احساس نہیں یا علم نہیں۔ اسے کسی کا بھرم عزیز نہیں۔ کوئی قول نہیں نبھانا۔ وہ ماں باپ کی مار کھالے گی چند روز چوٹیں سینک کر مرضی کی زندگی گزارنے کا حق لے لے گی اور بس۔ مگر میرا اس سے کیا مقابلہ..... میں ابی کی تربیت' ان کے فخر کو کبھی گزند نہیں پہنچاؤں گی۔ یہ میرا اٹل ارادہ ہے۔

میں نے خود کو سمجھایا اور ابل پڑنے والے شوریدہ باغی جذبات پر صبر و تحمل اور عقل سلیم کے ٹھنڈے چھینٹے مار کر دبادیا اور اس دن تو حد ہوگئی۔ عارف صاحب بے وقت آفس سے آگئے۔ پھپھو حسب معمول کسی ہمدرد سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔ پڑوسی سب ہی ہمدرد تھے۔ پھپھو پر سب کو ترس آتا تھا۔ بھلا کوئی عورت خود سوکن لاتی ہے۔ عارف صاحب صائمہ کو آوازیں لگا رہے تھے۔ اماں جی نے مجھ سے کہا۔

"بیٹی! تم ہی جاکر پوچھ لو۔" میں جھجک گئی میں اور کمرے میں پھپھو کے ان کی غیر حاضری میں۔ مگر عارف صاحب بھی وہیں کھڑے کھڑے صائمہ صائمہ پکار رہے تھے۔ آجاتے۔ اماں جی بتادیتیں کہ وہ گھر پر نہیں ہیں اور ہوتیں تو آنہ جاتیں فوراً" میں ڈرتے سہمتے اندر گئی۔

"جی..... پھپھو تو پڑوس میں گئی ہوئی ہیں۔"

"الماری میں ایک ضروری فائل رکھوا کر گیا تھا میں۔ پتا نہیں کہاں رکھ دی۔" وہ میری طرف پیٹھ کئے کھڑے تھے۔ کھلی الماری سے پھپھو کے دیدہ زیب ملبوسات کی نمائش ہو رہی تھی اور وہ اس میں ادھر ادھر

ہاتھ مار رہے تھے۔ میری غلطی کہ فوراً پلٹ نہ گئی اور اس کا خمیازہ..... میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ پھپھو خود بھی قیامت سے کیا کم تھیں اوپر سے ان کا بھاری بھرکم پرس۔ اس زور سے میرے سر پر مارا کہ تکلیف کی شدت سے میری چیخ نکل گئی اور میں سر پکڑ کر زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاگیا۔ پرس میں شاید لوہا لگا ہوا تھا جو عین میری کھوپڑی پر آکر لگا۔ کچھ دیر کو تو مجھے لگا کہ میری بینائی زائل ہوگئی۔ وہ پھر بھی مجھے معاف کرنے کو تیار نہ تھیں اسی پرس سے برابر وار کررہی تھیں اور ان کی زبان کے تیر مسلسل مجھے زخمی کررہے تھے۔

"کیا کرنے آئی تھی ادھر بول۔ میرے میاں پر ڈورے ڈالنے۔ آنکھیں پھوڑدوں گی' میری غیر موجودگی میں یہاں یہ تماشے ہوتے ہیں۔ عشق عاشقی کے سین۔"

میں سر پر ہاتھ رکھے گھٹنوں کے بل زمین پر ساکت بیٹھی تھی۔ شرم و ندامت سے میرا پسینہ پانی ہوگیا تھا۔ کیسے الفاظ اور کیسے کیسے الزام۔ اس دوران ان کا پرس میرے جسم پر برستا ہی رہا۔

وہ اتنی زور سے چیخ رہی تھیں کہ عارف صاحب کی وضاحت ان کی سماعت تک نہیں پہنچ رہی تھی یا پھر وہ کچھ سننا چاہتی ہی نہیں تھیں۔ پھر شاید ان ہی نے پکڑ کر پھپھو کو دور کیا تھا اور مجھ سے کہا تھا۔

"صبی! تم جاؤ۔" ان کے ساتھ ہی میں سر تھامے باہر نکلی اور بھاگتی ہوئی اماں جی کے کمرے میں جاکر سانس لیا۔ پیچھے سے پھپھو کے رکیک الفاظ میری عزت نفس کی دھجیاں بکھیرتے رہے۔ میں کرسی پر ہاری۔ سارا جسم چوٹوں کی حدت سے جل رہا تھا اور آنکھیں تو پٹاخے چل رہے تھے۔ اماں جی کچھ کہہ رہی تھیں مگر میں..... کچھ سننے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ اماں جی بھی غیظ و غضب کے دھماکے سن رہی تھیں مگر کچھ بول نہ سکتی تھیں۔

رات تک میں مری پڑی اسی کرسی پر پڑی رہی۔ نہ سدھ' نہ بدھ۔ بھی نہیں جارہا تھا۔ اماں جی ہاتھ کھینچتی تھیں تو میں کوشش کے باوجود جنبش نہ کرپاتی۔

رات کو سلمان' کامران آئے۔ پتا نہیں اماں جی نے کن الفاظ میں میری ذلت کی داستان سنائی ہوگی۔ کامران گرم دودھ کے ساتھ درد کی گولیاں دے گیا۔ گولی کھانے سے کچھ درد کم ہوا۔ جانے کس طرح اماں جی کی مدد سے میں بستر تک پہنچی۔ لیٹتے ہوئے میرے لبوں پر خدا کے بجائے امی کا ذکر تھا۔

"ہائے امی..... امی جی..... میں مر رہی ہوں۔"

اماں جی شفقت سے میرے رخسار سہلانے لگی تھیں۔

اگلے دو دن جسمانی درد کے ساتھ سارا کام کرتی رہی۔ پھپھو مجھ سے قطعی طور پر ناراض۔ کھانے کے بارے میں کوئی ہدایت نہ دوسرے کاموں کا نام۔ انہوں نے میرے ہاتھ کا پکا کھانا بھی نہیں کھایا۔ بائیکاٹ۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے' اسی موقع کے لئے کہا گیا۔ میں نے کئی بار صفائی دینی چاہی۔ وہ ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ جاتیں۔ کانوں میں انگلی دے کر بیٹھ جاتیں۔ شاید انہیں عارف صاحب کی صفائیوں کا یقین نہیں آیا تھا۔

مگر اماں جی نے کئی دن کے بعد (شاید پھپھو کے غصہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کررہی تھیں) انہیں بلا کر بتایا کہ "تمہاری غیر موجودگی میں اگر عارف کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیوی ہونے کے رشتے سے صبی نہیں کرے گی تو کون کرے گا۔ وہ عارف کی منکوحہ ہے اس کے کمرے میں جاسکتی ہے۔ میرے اصرار پر وہ گئی تھی اور یہ کوئی ناجائز کام نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ تم نے کیا اسے ناجائز کہہ سکتے ہیں۔ ناانصافی اور ظلم۔ تم کیا سمجھتی ہو ایک تم ہی ذہین ہو لیکن سب سمجھ چکے ہیں کہ تم نے اپنی ناموری اور دکھاوے کے لئے جھوٹا ڈرامہ کھیلا ہے۔ صائمہ! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔" پھپھو خاموش رہیں۔ پتا نہیں کیوں۔

♥ ♡ ♡ ♥

"اماں جی! آج بہت خوشگوار موسم ہے۔ دیکھئے۔

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

بادلوں کے قافلے چلے آرہے ہیں اور ٹھنڈی ہوا سے آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔"

میں کھڑکی کھولے آسمان کو دیکھ دیکھ کر کمنٹری کر رہی تھی۔ اکتوبر کا موسم یوں بھی اچھا ہوتا تھا۔ گرمی سے نجات ہوتی تھی۔ ہمارے لان میں ہار سنگار کا پیڑ پھولوں سے لد جاتا۔ زعفرانی ڈنڈیوں پر سفید نازک پنکھڑیوں کا تاج سج جاتا۔ پوری فضا خوشبو سے مہک جاتی۔ سبز گھاس پر گرے ہوئے پھول۔ زعفرانی ڈنڈیاں اوپر ہوتی تھیں۔ انہیں چٹکی سے پکڑ کر اٹھانا بڑا پرلطف ہوتا۔ پھر میں اور ایاز کتنے سارے پھول چن کر جھولی میں بھر لیتے۔ کچھ تو باسکٹ میں خوبصورتی کے لئے رکھ دیتے باقی امی لے لیتیں۔ انہیں جب زردہ بریانی بناتی ہوتی ہار سنگار کی ڈنڈیوں کا رنگ استعمال کرتی تھیں، بلکہ ضرورت پڑنے پر دوپٹہ بھی رنگ لیتیں۔

آج امی کی یاد آرہی تھی۔ دو مہینے سے نہیں گئی تھی۔ پھپھو کا مزاج برہم تھا۔ وہی لے جاتیں تو لے جاتیں، میں خود سے کبھی کہتی نہ تھی۔ آج صبح سے ہی دل خود بخود سست ہو رہا تھا۔ کوئی مجھے کہہ رہا تھا کہ آج تمہیں خوشی ملے گی۔ شاید موسم کی خوشگواری نے دل بھی خوش کر دیا تھا۔ میں دعا کر رہی تھی کہ پھپھو کا دل میری طرف سے نرم ہو جائے تاکہ میں اپنی امی، ابی سے مل لوں۔ لان میں بکھرے ہار سنگار کے پھول دیکھ لوں۔ مرجھائے ہوئے سہی۔ ایاز کے ساتھ مل کر تھوڑا اودھم مچالوں۔ عرصہ ہو گیا تھا۔ میں ہنسی نہیں، کھیلی نہیں، ایاز ملتا بھی تو میں شرمندہ شرمندہ سی بیٹھی رہتی۔

ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ میں ادھر سے گزری تو ایک نامعلوم حس نے چونکا دیا۔ کسی مانوس لہجے کی..... کی خوشی میں گندھے گجرے کی مہک۔ شگوفوں سے لدی ڈالی ایک سمت کو جھکی اور جیسے ہواؤں نے امید و آس کے کنول کھلنے کا سندیسہ سنایا۔ میں بے قراری سے لپکی۔ کامران کس سے باتیں کر رہا تھا۔ پرانے لب و لہجے میں۔

"مشکل تو خیر کوئی نہیں ہے۔ میں چاہوں تو دونوں ذمہ داریاں کامیابی سے نباہ سکتا ہوں۔ ویسے میں سائیکالوجی سے بہت زیادہ امپریس ہوا تھا اور اس سے زیادہ مریضوں سے۔ مگر اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہم جن مریضوں کو خبط الحواس اور مراقی کہتے ہیں انہیں ہم خود ہی سونے کی کان سمجھتے ہیں۔ دراصل وہ مریض ہوتا ہی سونے کی کان ہے۔ ہم جب تک چاہیں اس کان سے..... میرا مطلب ہے مریض سے سونا نکالتے رہیں۔ حق وصول کرتے رہیں، مگر یہ سن کر میں خاصا بددل ہو گیا۔ اب میرا رجحان فلسفے کی طرف ہو چکا ہے۔ کیا ہی دھانسو قسم کا سبجیکٹ ہے۔ مشکل اور محترم۔ اور مجھے مشکل مضمون متاثر کرتے ہیں۔ میں پاگل ہونے لگتا ہوں۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے....."

کامران اسی تسلسل سے بول رہا تھا جیسے پہلے بولا کرتا تھا لیکن گہرائیں تو سناٹا رہتا تھا۔

پھر ایک ہلکی ہنسی۔ وہی خوشی کے گجرے جیسی مہک۔ امید آس کے کنول کھلنے کی نوید جیسی۔ میں بے تابی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ میں ہانپ رہی تھی۔ جیسے میلوں دوڑتی آئی ہوں۔ اور اندر مجھے جو نظارہ ملا۔ دل افروز، روح پرور۔ میں دوڑ کر بھائی کے گلے سے جا چمٹی۔ بھائی بھی جذبات کے آگے بے بس ہو گئے۔ ہم دونوں کئی منٹ تک یونہی بے آواز روتے رہے۔ بھائی کا چہرہ، گلا سینہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ کامران نے آہستہ سے کہا۔

"بیٹھ جائیں بھائی۔" شاید بھائی کانپ رہے تھے۔

"تم..... تم کیسی ہو گڑیا؟" ان کی آواز سمندر کے شور میں دب گئی۔ آنسوؤں کا سمندر تھا جو بھائی کی آنکھوں سے ابل رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی! آپ..... آپ کیوں رو رہے ہیں۔ نہ روئیں۔" میں ان کے آنسو پونچھنے لگی۔

"تم..... تم نے انکار کیوں نہیں کر دیا۔ میں نہیں جہنم تھا ناں اس لئے یہ زبردستی..... مگر تم نے کیوں یہ

خریدا۔ میری بہن، میری گڑیا۔ میں تو سن کر ہی مرنے کے قریب ہو گیا۔"

میرا چھ فٹ کا توانا بھائی بچے کی طرح بلک رہا تھا۔

"بھائی! آپ کیوں فکر کرتے ہیں، میں تو ٹھیک ہوں۔ دیکھیں اور خوش ہوں۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔" بھائی گردن ہلا رہے تھے۔

"کیوں نہیں آتا۔ بھائی! میں سچ مچ بالکل ٹھیک ہوں خوش ہوں۔"

"یہ جھوٹ کہہ رہی ہیں فراز بھائی!۔ یہ خوش نہیں ہیں۔" کامران نے کہا۔

اور اسی وقت اندر سے پھپھو کی چیخ و پکار سنائی دی۔

"کہاں گئی ہے۔ اب کیا کامران سلمان کے دوستوں سے بھی عاشقی کا کھیل کھیلے گی۔ ابھی خبر لیتی ہوں۔ آخر کون آیا ہے، جس کے پاس گئی ہے یہ۔"

وہ ادھر ہی آرہی تھیں۔ بھائی کا سامنا پھپھو سے نہیں ہونا چاہئے۔ میرے دل نے اچانک فیصلہ کیا۔ میں نے بھائی کو باہر دھکیلا۔ "وہ مجھے بنا کر اندر جانا چاہتے تھے۔

"میں اس کا حشر کر دوں گا۔ فضول عورت۔ میں ....." وہ چیخے۔

اور میں نے کامران سے کہا کہ انہیں باہر لے جائے۔ کامران بھی گھبرا گیا۔ وہ بھائی کو باہر لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ پھپھو نے آتے ہی مجھے مارنا شروع کر دیا۔ گالیاں، کوسنے، بددعائیں۔

"کس کی اجازت سے مرنے آئی تھی یہاں بول۔ کون تھا وہ تیرا یار۔ کیا کر رہی تھی تو یہاں؟"

"وہ میرا بھائی تھا۔ اس سے ملنے کے لئے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔" میں نڈر ہو گئی۔

"اچھا! وہ سوتیلا، آستین کا سانپ۔ تو کیوں ملی۔ بول اس سے کیوں ملی۔"

"کیونکہ وہ مجھ سے ملنے آئے تھے۔ مجھے ان سے ملنے سے کون روک سکتا ہے۔"

"بدذات جواب دیتی ہے۔ جان نکال لوں گی تیری۔ جھلس دوں گی تیرا چہرہ۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی کمینی۔" وہ دانت کچکچا رہی تھیں۔ "اس کو اپنے بدن کے نیل دکھائے؟ دکھاوتی۔ بہت خوش ہوتا تیری درگت دیکھ کر۔" قہقہہ لگا کر ہنسیں۔

میرا دل بھر آیا۔ پھپھو ایسی کیوں ہو گئی ہیں۔ بھائی سے ان کو کیا کد ہے۔ اور میری یہی گت بنانی تھی تو وہ مجھے یہاں لائیں کیوں۔ سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں ذلیل کرنے۔

اور میں نے یہی سوال ان سے کیا تو وہ جیسے پھٹ پڑیں اور میں..... اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔

"سننا چاہتی ہے تو سن۔ یہ میرا انتقام تھا میں نے عہد کیا تھا تیرے ماں باپ کو ایسا تڑپاؤں گی کہ وہ روتے پھریں گے۔ سنا تو نے۔ پہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ تیرے ذریعے آسانی سے وہ میرے جال میں آ گئے۔"

میں انہیں حیرت سے دیکھنے لگی۔ وہ قہقہہ لگا کر بولیں۔ "ہاں! پاگل سن میں بھی بہت تڑپی اور روئی ہوں جب تیری خالہ، فراز کی ماں سے تیرے باپ نے شادی کی۔ میں تیرہ برس کی تھی اور میری خواہش تھی کہ وہ مجھ سے شادی کرتے۔ میں بچپن سے ہی ان کے عشق میں مبتلا تھی مگر فراز کی ماں نے مجھے میری محبت سے محروم کر دیا۔ میں چھپ چھپ کر روتی اور بددعائیں دیتی۔ اسے میری بددعا کھا گئی۔ تو میں نے خوشی کے گیت گائے۔ پھر میں نے چاہا کہ اب..... اب وہ مجھے..... قبول کر لیں لیکن یہ فراز..... یہ سنپولیا میرے راستے کا پتھر بن گیا۔ صرف اسی وجہ سے میں پھر محروم ہو گئی اور فراز کی خالہ جیت گئی۔ میرے دل پر چھریاں چلا دیں سب نے اور میں پھر خالی ہو گئی۔ میری تو کسی کو فکر ہی نہ تھی۔ محبت کا دعویٰ تو سب کرتے تھے مگر میری چاہت کسی نے نہ جانی۔ اور تب سے میں تیرے باپ، تیری ماں اور اس سنپولیے فراز کے لئے بددعا کر رہی ہوں۔ پھر میں نے انتقام لینے کی قسم کھائی اور..... عارف کے ذریعے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ دیکھا تو نے اور ابھی میرا انتقام پورا نہیں ہوا

UrduPhoto.com
OneUrdu.com Scanned By HafeDua for OneUrdu.com

ہے۔ میں اب انہیں تڑپاؤں گی اور تجھے میرا معمول بننا ہوگا۔ آہاہا۔ وہ تجھے روتا بلکتا دیکھیں گے' خود روئیں گے تو تڑپے گی تو وہ بھی تڑپیں گے۔ میرا دل سکون پائے گا۔ آہ۔ اس دن کے لئے کتنی دعائیں کی تھیں میں نے۔"

پھپھو کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا۔ نفرت اور کراہت سے بھرا ہوا۔ ڈائن کا چہرہ۔

"آپ خدا نہیں ہیں۔ پھپھو! یاد رکھیں آپ سے بڑی ایک طاقت اور ہے جو مظلوموں کی مدد کرتی ہے اور مجھے یقین ہے میرا خدا بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔" میں ابل پڑی۔

"جواب دیتی ہے۔ بات کاٹتی ہے میری۔" پھر گئیں اور میرے بال مٹھی میں جکڑ کر جھٹکے دینے شروع کردیئے۔ میری چیخیں نکل گئیں۔

"ابھی سے چیخے گی تو تیرے باپ کو خبر کون کرے گا۔ انہیں بلواؤں گی' دعوت دوں گی۔ تب تیری چیخیں سنواؤں گی۔ یاد رکھ میری بددعا سے تو کبھی آباد نہ ہوگی۔ تیرا دل اجڑے گا تیری گود اجڑی رہے گی۔ تو بھی میری طرح بانجھ کہلائے گی۔ میں تجھے کبھی آزاد نہیں کروں گی۔ تڑپاؤں گی' یاد رکھ۔"

وہ میرے بال نوچ رہی تھیں۔ مجھے دانتوں سے کاٹ رہی تھیں میری چیخیں' فریاد بن کر گھر میں گونجنے لگیں۔ تب عارف صاحب کہیں سے بھاگتے ہوئے آئے۔ انہوں نے پھپھو کو پکڑ کر کھینچا مگر ان میں بلا کی طاقت تھی' پھر عارف صاحب نے زوردار تھپڑ رسید کیا۔ پھر دوسرا اور تیسرا۔

پھپھو جیسے ہوش میں آگئیں۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور عارف صاحب کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔ وہ بھی جوش میں آگئے تھے۔ اب متاسف اور شرمندہ کھڑے تھے۔ دروازے پر حیران پریشان سلمان' کامران' اماں جی کھڑے تھے اور میں۔۔۔ پرچی فاختہ کی طرح زمین پر پڑی تھی جانے میرا دوپٹہ کہاں تھا اور میں خود کہاں تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

سرسبز لان کے کنارے موسم کے پھولوں کی کیاریاں تھیں جس میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ رنگ برنگے کاس پاس' پٹونیا اور گلابی مسمبوی جو زمین پر بچھی ہوئی تھی۔ گیٹ کے ساتھ والی کیاری میں گلاب کے پودے تھے جس میں زرد سفید اور شیڈڈ نارنجی پھول کھلے ہوئے تھے موسم بہار پورے جوبن پر تھا۔ گھاس پر سفید کرسیاں بے ترتیبی سے رکھی تھیں۔

چھوٹے سے بنگلے کے برآمدے پر ایک کنارے بوگن ویلیا تھی دوسرے ستون کے ساتھ عشق پیچاں کی بیل میں کاسنی پھولوں کی بہتات تھی۔ بوگن ویلیا کے پھول گولڈن تھے اور خاصے چمکدار بھی۔ پورا ماحول بہاراں بہاراں گل گلزاراں تھا۔ گیلری سے برآمدے میں آنے والی حسینہ' خوش رنگ لباس' اور صحت مند جسم کی وجہ سے خود بھی ایک سدا بہار شاداب پھول تھی۔ چہرے پر تابانی کے پھول کھلے تھے۔ سرخ ہونٹوں پر کلیاں چٹک رہی تھیں۔ برآمدے کے درمیان والے ستون سے ٹیک لگا کر اس نے لان کا نظارہ کیا اور وہاں کے کسی منظر نے ہونٹوں پر تبسم کے موتی بکھرا دیئے۔ دانتوں کی بے داغ چاندنی نے چہرہ' آنکھیں' رخسار یکدم اجال کر دمکا دیئے۔

وہ گلاب کی کیاری کے پاس جھولنے والی کرسی پر بے فکرے شوہر کو آنکھیں بند کئے جھولتا دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک چھٹی کا دن تھا۔ اس کے چہرے پر تبسم منجمد ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں شرارت کی چمک نے کوندے سے لپکائے۔ ہلکی ہلکی چہچہاہٹ' گنگناہٹ سماعت نے محسوس کی تھی۔ اب دیکھنا ہے مسٹر کے اطمینان کو۔ وہ آنکھیں میچ کر خوش دلی سے ہنسی اور دونوں ہتھیلیوں کو پشت سے ستون پر ٹکا دیا۔

گیٹ سے اچھلتے کودتے بچوں کی آمد۔ دونوں لڑکے آگے آگے اور پیچھے رہ جانے والی گول مٹول فریحہ جس کے چاکلیٹی گھونگھریالے بال ہوا سے لہرا رہے تھے۔ نیلی فراک میں جھومتی جھامتی گول آنکھیں سرخ گالوں والی بچی نے ابھی کچھ دن پہلے چلنا شروع کیا تھا مگر وہ بھائیوں کے ساتھ ہر کھیل میں شریک رہتی اور

ہر جگہ۔ ان کے ساتھ اٹک جاتی۔

لڑکے دوڑتے شور مچاتے باپ کے سکھ چین کو برباد کرتے اس کے بازو سے لٹک گئے۔ فریحہ ابھی پیچھے تھی۔ وہ لڑھکتی ہوئی چل رہی تھی۔ مگر اس کی آواز بھائیوں سے کم نہ تھی۔ مسٹر نے بچوں کے حملے سے خود کو بچانے کی ہر تدبیر کی۔ دونوں بچے گود میں ٹھنس گئے اور فریحہ نے گردن پر پیچھے سے وار کیا تھا۔ وہ گردن پکڑ کر جھول گئی۔

مسٹر کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اب وہ بیٹوں کی کہانی سنیں یا بیٹی کے جارحانہ حملوں سے خود کو بچائیں۔ ان کے منہ سے از خود بچاؤ بچاؤ کی فریاد نکلی۔ مسز نے طمانیت بھرا سانس لے کر آسمان پر نظریں جما دیں جہاں پر تیرتے پرندے سورج کا غسل لے رہے تھے اور کہیں کہیں بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوا کے زور سے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ شکر ہے میرے خدا۔

مسز نے اندر کی راہ لی۔ اب وہ ساس کے لئے سیب کاٹ رہی تھی۔ بچوں کو ملک شیک بنا کر دینا تھا۔ کیلے اور سیب کے ٹکڑے مکسچر میں ڈالے اور چولہے پر رکھے پانی کو دیکھا۔ چھوٹے ٹی پاٹ میں چائے دم کرکے میز پر رکھی اور ملک شیک کی جانب توجہ کی۔ چائے دیور کے لئے بنائی تھی کہ بے چارا بچوں کو میز کرا کر آیا ہوگا۔ تھک تھکا کر۔ چھٹی کا دن وہ بچوں کے لئے وقف کر دیتا کہ کاہل باپ کو تو کرسی پر جمنے کے بعد اٹھنے کی توفیق نہ ہوتی۔

کھڑکی سے جھانکا تو دیور صاحب کا نام نشان نہ تھا۔ کل دوران دیورانی نے کچن میں جھانکا۔ آرام سے بیٹھ کر میز پر رکھی چائے دانی سے اپنے لئے چائے نکالی اور پینی شروع کردی۔

"بھابھی! چائے تو بہت کم تھی' ختم۔"

"ہاں تو ایک پیالی دم کی تھی تمہارے میاں کے لئے تم تو ہم لوگوں کے ساتھ پی چکی تھیں۔"

"اچھا؟" لہجے میں بناوٹ نام کو نہ تھی۔ صرف حیرت کا تاثر تھا۔ "آپ بتا دیتیں مجھے۔"

"میری دو آنکھیں ہیں جو گدی پر ہرگز نہیں۔ سنو سارو! کل شام کو امی اور آپی آرہی ہیں۔ ایک ڈش تو میں بنالوں گی آج ہی تاکہ آسانی ہو جائے تم شیر خرمہ بنا دو گی؟ کل صبح میں بریانی اور کباب کی تیاری کرلوں گی۔ اوہو۔ سویاں ختم' پستے بادام۔" وہ ڈبے کھول کھول کر جائزہ لیتی ہوئی بول رہی تھی۔ "اور یہ تمہارے میاں جان کہاں رہ گئے بچوں کو پارک لے کر گئے تھے۔ بچے تو آگئے وہ کہیں فلسفے کے دقیق نقطے میں الجھ گئے ہوں گے۔"

سارو نے کندھے اچکائے۔ وہ بولتی ہوئی برآمدے میں آگئی اور لان میں نظر دوڑائی۔ مسٹر گھوڑا بنے گھاس پر دوڑ رہے تھے۔ دونوں بچے ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھے چیخیں مار رہے تھے۔ بیٹی پیچھے ہلتی ڈولتی حلق سے سائرن جیسی آوازیں نکال رہی تھی۔ مسٹر بچوں کو پیٹھ سے گرانے کی کوشش میں تھے۔ بچے جم کر رہ گئے تھے۔

"اے مسٹر گھوڑے! میں نے آپ سے کہا تھا سودا منگانا ہے۔ اب یہ کھیل چھوڑیں اور کام پر آجائیں۔"

"مجھے آواز نہیں آرہی۔" مسٹر گھوڑے نے بلند آواز میں کہا۔

"دیکھیں۔ کل امی اور آپی آرہی ہیں۔ ان کے لئے کچھ اہتمام تو کرنا ہوگا۔ پلیز' ذرا بازار۔۔۔ سن رہے ہیں یا لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کروں۔"

"سن لیا' بے صبری سن لیا۔ محلے بھر میں اعلان کی ضرورت نہیں۔" مسٹر گھوڑے نے پیٹھ پر جمے بچھیروں کو گرایا اور بیٹی کو مشک کی طرح پیٹھ پر لاد کر عازم برآمد ہوئے۔

"دیکھیں ذرا اچھا سودا لائیں پرانے پستے بادام نہ ہوں۔ اور چکا کر لیں یہ نہیں کہ آنکھیں بند کیں' مٹھی کھول دی۔"

"محترمہ واضح ہو کہ میں فالتو بندہ نہیں ہوں۔ وہ فلاسفر کدھر ہے اس سے منگالو۔ دوسری اور آخری بات یہ کہ مہینے کا آخر ہے اور میری مٹھی کیا جیب بھی

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com Shared by HarfeDua for OneUrdu.com

خالی ہے۔"
مسز نے بے چارگی سے مسٹر کو دیکھا۔ "پلیز۔"
"آپ اپنی امی اور آپی کو صاف بتا کیوں نہیں دیتیں کہ ہم آپ کی طرح لینڈ لارڈ نہیں۔ مہینے کے آخر میں ہم کنگال ... افوہ ... ہر بات پر آنکھوں میں برسات لے آتی ہو۔ پہلے تم ایسی نہیں تھیں۔ بڑی بڑی باتیں اور زیادتی ہضم کر لیتی تھیں۔ میری ہی ذرا سی بات برداشت نہیں ہوتی۔ کمال ہے۔"
"آ... پ... سے توقع نہیں ہوتی اس لئے..." مسز نے آنسو پلک جھپکتے پی لئے۔
"اچھا یہ نئی خبر ہے۔ مگر مجھے سود الینے کی تمیز نہیں۔ میں نہ صرف منگا لیتا ہوں بلکہ وہ خراب بھی ہوتا ہے۔ یہ آپ ہی کے الفاظ ہیں۔ اور وہ سقراط اعظم بقراط اعظم ہر موقع پر مجھے شکست دے جاتے ہیں۔ بلایئے ان ہی کو۔"
"وہ بچوں کے ساتھ گئے تھے۔ ان کا انتظار کب تک کروں۔ بے چاری بیوی ان کے لئے دم کی ہوئی چائے پی گئی ان کے لئے رکھے کباب کھا گئی۔ پھر..."
"پھر... پھر۔ میں بہرحال ایک معزز شہری ہوں۔ دکان، دکان سود الینا میرے وقار کے خلاف ہے۔"
"اماں! اماں دیکھیں یہ سودا نہیں لا کر دے رہے۔ پھر میں مہمانوں کو..."
"اف۔ لاتا ہوں۔ لاتا ہوں بے صبری! ذرا صبر کر لو۔ مگر صاحب عادت ہی نہیں۔ ساری زندگی یونہی گزرے گی۔ اگر ذرا صبر ہوتا تو دن کچھ اور ہوتے۔"
"کیا... کیا۔ میں بے صبری ہوں۔ صبر نہیں ہے۔" مسز نے بلا تکلف آستین چڑھا لیں۔ مسٹر پیچھے کھسکنے لگے۔ مسز آگے بڑھ رہی تھیں۔
"میں بے صبری ہوں۔ اتنے ظلم سہہ کر، خاموش رہ کر... اور آپ۔ آپ کیا ہیں۔ سارا الزام مجھ پر عائد کرنے والے۔ مجھے قصوروار ٹھہرانے والے۔"
اب ان کے ہاتھ مسٹر کے گریبان تک جا پہنچے اور مسٹر نے بیٹی کو سنبھالتے ہوئے نظر بچا کر تیزی سے جاتے ہوئے بھائی کو پکار لیا۔

"اے مسٹر فلاسفر! کدھر بھاگے جا رہے ہو یار۔ میری گلو خلاصی تو کراتے جاؤ۔"
"توپوں کی گھن گرج سے بچ کر نکلنا فلسفے کا اصول ہے۔ آپ کی جنگ تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ میں دراصل بیگم کی تلاش کے عنوان پر غور کر رہا ہوں جو کہ نہایت پر امن موضوع ہے۔"
"بالکل بیکار ہے! بیگم نے تمہاری چائے نوش کر لی۔ کباب ہڑپ۔ سودا لا دو تو میں بیگم کی تلاش میں کچھ مدد کروں۔"
"بہتر۔ آپ میری بیگم کو مطلع کریں کہ میں زندہ و تابندہ ہوں۔" فلاسفر واقعی پر امن تھے۔
"دلہن! ذرا دیکھنا بے بی سو کر اٹھ بھی گئی۔" ساس اپنے کمرے سے پکار رہی تھیں۔ مسز نے مسٹر کا گریبان چھوڑ دیا۔ دونوں کمرے میں آ گئے۔
"اے بیٹی! اس معصوم کو بھی کچھ کھلا پلا دو۔ اماں کو تو خبر ہو گی نہیں۔ وہ تو خوابوں کی دنیا کا سفر کر رہی ہوں گی۔ دو گھنٹے سے میرے پاس ہے۔ سو کر اٹھ بھی گئی۔ ان کو مگر ہوش نہیں کہ بچے کی بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں اور کامران کو کیا کہوں انہیں تو موا فلسفہ ہضم نہیں ہو رہا۔ اب دیکھنا عارف آ کر کیا کیا نہ برسیں گے۔ الزام میرے سر ہو گا کہ میں نے روک ٹوک نہ کی۔ وہ بھول چکے ہیں کہ انہوں نے کب میرے روکے ٹوکے کو گردانا۔"
اماں ایک سانس میں بول رہی تھیں۔ شاید خاصی بیزار تھیں۔ بچی منہ کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔ مسٹر اور مسز مسکرا رہے تھے۔ ساس سانس لے کر پھر شروع ہو گئیں۔
"اور بیٹی! تم نہ ہوتیں تو اس گھر کا تو آوے کا آوا ٹیڑھا ہو چکا تھا۔ اللہ تمہارا بھلا کرے۔ تمہیں خوشیاں دکھائے۔ تم ہی تو اس گھر کی رونق ہو ورنہ ..."
"آہم..." مسٹر نے اماں کی گاڑی روک دی۔ "بہوؤں کی چمچہ گیری سے قطع نظر کبھی بیٹوں کی تعریف میں بھی لیکچر صادر کر دیا کریں۔"

"بہوؤں نہیں، صرف بہو۔" مسز آنکھیں چمکا رہی تھیں۔
"میں نہ چمچہ گیری کروں نہ تعریف، سچی بات منہ تک آ جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے لائق فرزند اور خدمت گزار بہوئیں، نیک بیٹیاں عطا کی ہیں۔"
"پھر وہی بہوئیں اور بھول گئیں ولی عہد بہادر کی ستم ظریفیاں اور ان کی بیگم کے کارنامے۔"
"اللہ کا کرم ہے۔ جو کچھ ہو گیا وہ ماضی تھا۔ تلخ ماضی کو بھلا دینا بہتر، معاف کرنے والی ذات تو اس باری تعالیٰ کی ہے۔ ہم گناہ گار بندے ہیں ہم پر اس کا احسان ہے اور بیٹا! دکھ سکھ، رنجشیں، سب زندگی کا حصہ ہیں۔ ہر کسی کے ساتھ اس کے اعمال ہوں گے۔ معاف کرنا اور بھلا دینا سب سے بہتر عمل ہے۔ اب وہ آئیں تو ان کا صاف دلی سے استقبال کرنا۔"
"میں نہیں بھلا سکتا۔ میں گناہ گار بندہ ہوں۔"
مسز سخت رنجیدہ اور سنجیدہ تھے۔ مسز نے بچی کو گود میں لے لیا تھا اور سر جھکائے مجرمانہ انداز میں زمین کرید رہی تھیں۔
مسٹر نے بھاگنے میں عافیت سمجھی کہ کہیں مسز کے آنسو اب گالوں پر ڈھلکنے والے تھے اور وہ آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ اس کے بعد اماں کا لیکچر اور غلطیوں کی نشاندہی کہ اگر وہ کبھی اشارتاً بھی بتا دیتے تو اماں میں اتنی جرات تھی کہ وہ عارف کو روک لیتیں اس غلط قدم سے۔ پھر حالات بھی دوسرے ہوتے اور کوئی رنجش یا تکلیف دہ حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔
جی۔ آپ درست سمجھے۔ وہ مسز میں اور مسٹر سلمان تھے۔ اور ہمارا ملاپ بڑے ڈرامائی انداز میں لکھا ہوا۔
اس رات پھپھو نے عارف انکل سے مار کھا کر حالات کا اندازہ کر لیا اور مجھے اپنی اس اذیت دہ رشتے سے آزادی دلوا دی۔ عارف انکل خود بھی ایسی زندگی سے تنگ آ چکے تھے اس لئے بہت آسانی سے سب طے ہو گیا۔

UrduPhoto.com
HarfeDua @ OneUrdu.com

اس کے بعد انکل انگلینڈ چلے گئے معہ اپنی بیگم کے مگر جانے سے پہلے ابی کو تمام حالات سے آگاہ کر کے سلمان کو پیش کر دیا یوں سب کچھ ہو گیا۔ میں بہت ڈری ہوئی تھی کہ پھپھو کی بددعاؤں کے حصار میں نہ جانے کیا ہو لیکن اماں نے ہی حوصلہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ "دعا بددعا کے لئے اللہ تعالیٰ بندے کی نیت ضرور دیکھتا ہے۔ بدنیتی سے کی گئی بددعا اللہ کو پسند نہیں۔"

سو اس طرح اب آج مجھے دنیا کی ہر نعمت میسر ہے اور سب سے بڑی نعمت سلمان کی محبت اور اعتماد اور اولاد' ہماری زندگی مکمل اور اماں جی' ابی' امی کی دعاؤں سے بہار آشنا تھی۔

انکل نے انگلینڈ میں پھپھو کی موجودگی میں ہی شادی کر لی تھی۔ اب وہ صاحب اولاد تھے اور کئی برسوں کے بعد اماں سے ان کی نئی بہو اور پوتے کو ملانے لا رہے تھے۔ میں حسب سابق ساس کی آنکھوں کا تارا اور دیور کی چہیتی بھابھی ہوں۔ میں نے اپنے فرائض سب رشتوں میں تقسیم کر لئے ہیں اور یہی میری کامیابی کا گر ہے۔ خدمت' ایثار' اور خوش خلقی میرا اصول ہے۔

انکل کی فیملی کے لئے میں نے اوپر کا کمرہ درست کر دیا ہے۔ یہ گھر سلمان نے خود بنایا ہے۔ اس گھر کے سوا ہمارے پاس کوئی جائیداد یا دولت نہیں ہے' مگر ہم بہت خوش ہیں۔ کامران ڈاکٹر بن گئے مگر فلسفے سے ان کی پکی دوستی ہے۔ ان کی بیگم سارہ ایک فلاسفر کی بیٹی اور خود بھی ایک دقیق مضمون سے کم نہیں شاید کامران کو اسی لئے پسند آئیں کہ انہیں مشکل مضمون کو آسان کرنا پسند تھا۔ شاید وہ ان کے لئے اسی لئے پاگل ہو گئے تھے کہ دقیق مضمون حاصل کرنے کے لئے پاگل ہو جانا ان کی عادت تھی میں اب جان گئی ہوں۔

خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اب جو انکل آئیں گے تو پھپھو کے لئے الگ کمرہ نہیں۔ وہ اماں جی کے ساتھ رہیں گی۔ انہوں نے مجھے اماں جی کے کمرے میں رہنے پر مجبور کیا تھا اور اب۔۔۔ حالانکہ میں تو اپنے کمرے کی قربانی دینے پر تیار تھی لیکن سلمان کو غصہ آگیا۔ انہوں نے کہا "ہم پانچ لوگ کیا اماں کے کمرے میں سما سکتے ہیں؟ اماں کو تکلیف ہو گی۔ جب ان کی حکومت تھی انہوں نے تم کو اماں کے سپرد کر رکھا تھا۔ اب انہیں بھی وہ وقت یاد کرنے کا موقعہ دو۔"

حالانکہ وہ مکان تو بہت بڑا تھا مگر پھپھو کو جو خوف میری جانب سے رہتا تھا میں تو بھلا چکی ہوں اور معاف بھی کر چکی مگر سلمان۔ وہ کچھ نہیں بھولے۔ انہیں میرے اوپر کی گئی زیادتی کی ایک ایک تفصیل یاد ہے۔ اور میں ابھی سے ڈر رہی ہوں کہ وہ پھپھو سے کوئی بدتمیزی نہ کر بیٹھیں۔

پھپھو کو خاصی سزا مل چکی ہے کہ سوکن ان کے شوہر پر مکمل تسلط رکھتی ہے۔ شوہر پر صرف اپنا حق سمجھتی ہے۔ پھپھو ایک فالتو پرزے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ سنا ہے بہت افسردہ رہتی ہیں۔ پتا نہیں ان کی سزا کب ختم ہو گی۔ میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں کہ میں نے تو سب کچھ پا لیا ہے اور مزید کوئی آرزو نہیں۔ بچوں کی صحت و زندگی اور اپنی' سلمان بلکہ پورے کنبے کی مسرتوں کی دعا کے سوا میں خدا سے اور کچھ نہیں مانگتی۔

پھپھو کا کیا رد عمل ہو گا یہاں آنے کے بعد یہ ان کے ظرف پر منحصر ہے۔ ان کے لئے بھی دعا ہے کہ اللہ انہیں بھی صبر کی دولت عطا کرے۔